

کلیات سودا

جلد دوم

<http://www.pakistanconnections.com/ebooks>

مرزا محمد رفیع سودا



کلیاتِ سودا

(جلد دوم)

itsurdu.blogspot.com

مرزا محمد رفیع سودا

در نعت حضرت سید المرسلین ﷺ

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زناں تسبیح سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ترک کبجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گرنہ نگ عریانی

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروج دست ہمت کو نہیں کچھ قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگہ پر مساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر جینا بہت چاہے
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دوئی جدائی سے ہے عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصل گل میں مرغ بستانی

موقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اسے عزت ہے عریانی

بہ رنگ کوہ رہ خاموش حرف ناسزا سن کر
کہ تا بد گو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جب تک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہو پانی

یہ روشن ہے بہ رنگ شمع ربط باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمن جانی

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ ہے صفابانی

طلوع مہر ہو پامال حیرت آسماں اوپر
لکھوں بہر غزل گر اس زمیں میں مطلع ثانی

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سوئے ہے گس رانی

نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ تیرا دل غم زماوے تو یا قسمت
وگر نہ دیکھ آئینہ کہ پتھر ہو گئے پانی

تری زلفوں سے اپنی رویا ہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیت خاطر مجھے ان کی پریشانی

زمانے میں نہیں کھلتا ہے کار بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچوں کی کھولے ہے صبا کیونکر بہ آسانی

جنوں کے ہاتھ سے سرتا قدم کاہیدہ اتنا ہوں
کہ اعضا دیدہ زنجیر کی کرتے ہیں مرگانی

نہ رکھا جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سیہ بختی میں اے سودا نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے ناقبات فہم کب تک یہ بیاں ہو گا
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خواباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پیشانی

نظر رکھنے سے حاصل ان کے چشم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

زہے دین محمد پیروی میں اس کے جو ہوویں
رہے خاک قدم سے ان کے چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی ہے تا آیات قرآنی

خیال خلق گر اس کا شفیع کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

زباں پر اس کی گزرے حرف جا گہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

رکھا جب سے قدم مند پہ آ ان نے شریعت کے
کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی

اگر نقصان پر خس کے شر کا ٹک ارادہ ہو
کرے کو آگ کے دوہیں کرے غرق آن کر پانی

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی

یہ کیا انصاف ہے یارب کہ طیر و وحش جگ میں
اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچے کبوتر کا
شہاں نے گرگ کو گلے کی سوچی ہے نگہبانی

ہا آسا ہے پرواز ملخ اوج سعادت پر
کرے ہے مور چڑھ کر سینہ دو پر سلیمانی

کھلیں ہیں غنچے گل باغ میں خاطر سے بلبل کے
جو اب اوراق جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی

جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا
تو اس کے آگے ہو گی عدل کی کیا کچھ فراوانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

نہ ہونے سے جدا سائے کے اس قامت سے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دلچپ وہ محبوب سبحانی

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہئے ایسے کو اگر اب یوسف ثانی

معاذ اللہ یہ کیا لفظ بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں تو ہوؤں مردود مسلمانی

کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہر الوہیت ہے یہ ہے ماہ کنعانی

جو صورت اس کی ہے للہیب ہے وہ صورت ایزد
جو معنی اس میں ہیں بے شک وہی معنی ربانی

حدیث ”من رآنی“ دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جن نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی

بس آگے مت چل اے سودا میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اب اس منہ سے ویسے کی ثنا خوانی



در نعت رسول مقبول ﷺ و منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ

چہرہ مہر و شہ ہے ایک سنبھل مشک قام دو
حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

میں وہ تنگ شراب اور ساقی کی چشم مست یہ
کیونکہ نہ بگڑے محبت اب بادہ کش ایک جام دو

میرے ترے یہ ربط ہے جیسے میان بحر و موج
واقعی میں تو ایک ہیں گو کہ ہوں بہ نام دو

خون جو کیا ہے بے گنہ تو نے مرا دل و جگر
لینے ہیں تجھ سے حشر میں اپنے یہ انتقام دو

تجھ سے وفا مہر کی دیدہ و دل کو ہے طلب
کرتے ہیں اٹھ ہر ایک دن مل کے خیال خام دو

ابروے یار کا خیال دل میں رہے ہے روز و شب
کاش یہ تیغ آب دار کر بھی چکے نیام دو

فکر معاد اب کریں یا کہ معاش کا تلاش
زندگی اپنی ایک دم کیجئے کیونکہ کام دو

پھینکے ہے منجھنق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ
بیٹھ کر ایک دم کہیں ہوویں جو ہم کلام دو

خورد و بزرگ دہر میں نسبت جام و شیشہ جان
بادہ انہوں میں ایک ہے گو کہ ہوئے بہ نام دو

کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہووے گی خوب یہ غزل
ہم رہ نعت و منقبت مگر اسے انصرام دو

اپنی یہ عرض اس ہے کہہ تو بھلا یہ کیونکہ ہو
ایک زمیں سو سنگ لاخ اس میں نبھیں گے کام دو

دے ہے جواب مجھ کو یوں ایک غزل تو کیا ہے یہ
ایسے کہے قصیدے تو صبح سے تا بہ شام دو

مطلع نعت و منقبت کہہ تو چکا ہے میرے دوست
بس مجھے آ کے مانگ لے کر کے تو اب کلام دو

مثل زبان خامہ گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بدنام دو

ہونے نہ دے غروب ایک بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرص مہ تمام دو

جا کے انہوں کے رتبے تک ماندے ہوں یہ خیال و وہم
وقت مراجعت جو کوچ ایک کریں مقام دو

ان کے طواف روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام تاتا نہ کرے سلام دو

موسیٰ و خضر اور شیث در پہ انہوں کے وقت طوف
ایک بنے ہے چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو

سجدہ کریں ہیں مہر و مہ در پہ انہوں کے روز و شب
مہرین اس سے یوں ہو داغی ہیں یہ غلام دو

ہوتے حکیم کس سبب معتقد قیام دہر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو

وصف براق و دلدل اب کہہ تو کروں میں کیا بیاں
شرق سے راہ تا بہ غرب جن کے تئیں ہیں گام دو

مرضی حق نہیں ہے یہ ہوں دو ہوا و ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر ایسے ہیں خوش خرام دو

برش انہوں کی تیغ کی مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامے کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو مفردات کو
احولوں کی طرح اسے آوے نظر تمام دو

یاد میں اس کی گر عدد دیکھے جو اپنے باپ کو
ماں سے کہے تجھے حلال ایک ہے اور حرام دو

بس میں اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے اس کا ذکر
قطع کلام کر کے تم مدح کو اختتام دو

چاہے تھی میری یوں طمع طول دے اس کلام کو
کہئے نبی علی سے یوں اس کا صلہ تمام دو

ہے یہ امید یوں نبی کہہ دیں علی سے اس طرح
اوروں کو جام ایک ایک دیکھو اس کو جام دو

یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصہ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو



itsurdu.blogspot.com

در نعت رسول مقبول ﷺ و منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ

زخمی میں ترا اور گلستاں ہے برابر
ہر خرمن گل گنج شہیداں ہے برابر

کہتے ہیں جسے سرو سو گلشن کی ہے وہ آہ
نرگس لب جو دیدہ گریاں ہے برابر

فریاد چمن بلبل و دیوار چمن میں
جو رخنہ ہے سو چاک گریاں ہے برابر

ہے سینہ تفسیدہ ہر اک تختہ گلزار
جو غنچہ ہے سو وہ دل سوزاں ہے برابر

سوز دل عشاق تماشا جو ہو تجھ کو
یہ سینہ پر از داغ و چراغاں ہے برابر

آنسو نہ پچھے تجھ سے کبھو میرے کہ تجھ پاس
لخت دل و گل برگ بہ داماں ہے برابر

دریا مری آنکھوں سے یہ بہتا ہے لہو کا
مرگاں سے مرے ہنپے مرجاں ہے برابر

کیساں ہے وجود عدم انساں کا ترے پاس
یاں سر بہ تن عاشق و بہتاں ہے برابر

خوں ریزی میں ترکوں سے ترے چشم ہیں ہمسر
خنجر سے انہوں کے صف مرگاں ہے برابر

آنکھوں سے مروت تری اور دل سے ترے رحم
قسمت ہے یہ اپنی کہ گریزاں ہے برابر

پردے میں جو ہے تیر اجل یار سو اس کے
تیری نگہ دیدن پنہاں ہے برابر

حیراں ہوں ترے سامنے کس طرح میں ٹھہرا
جانے میں ترے آگے دل و جاں ہے برابر

کیا درد کہوں تجھ سے میں اپنا کہ ترے پاس
میرا سخن اور کذب رقیباں ہے برابر

سنا ہی نہیں بات مری تو جو نے بھی
وہ بات پھر اور طائر پُراں ہے برابر

تو نے وہ کہا کیا کہ جسے میں نے نہ مانا
یاں حکم قضا اور ترا فرماں ہے برابر

دلدارِ تجھے کرنی کسو کی نہیں آتی
تو سب کے دل و جان کا خواہاں ہے برابر

ظالم میں نواجی میں ترے گھر کو جو دیکھا
ہر سمت صف گور غریباں ہے برابر

یوں ہی ہے جو خاطر میں ترے میں بھی ہوں حاضر
یہ زندگی اور روح کا سوہاں ہے برابر

آزاد منش مجھ سے کا اے یار شب و روز
دل مرغ گرفتار کے نالاں ہے برابر

لے شام سے اور صبح تلک صبح سے تا شام
اشک آنکھوں سے میرے در غلطاں ہے برابر

رہتی ہے تپ غم یہ سدا مجھ کو کہ میری
آہ سحر و شمع شبستاں ہے برابر

اعضا مرے جس طرح سے جلتے ہیں کہوں کیا
وہ سوزش و آتش بہ نیتاں ہے برابر

عزت کی کہوں اپنی سو کاہے کو کسی کی
عزت ترے در کے سگ و درباں ہے برابر

کیا درد کہے سامنے تیرے کوئی اپنا
یاں زخم دہان و لب خنداں ہے برابر

فریاد کروں کس سے کہ رواداری کے تیرے
کہنے کے لئے گہر و مسلمان ہے برابر

نالش کروں اب واں کہ جہاں حق بہ طرف میں
مور و ملخ و دیو و سلیمان ہے برابر

وہ ختم رسالت نہیں جس کا کوئی ہمتا
اور ہے بھی جو کوئی شہ مرداں ہے برابر

ہے علم الہی سے وہ امی لقب آگہ
واں عقل کل اور طفل دبستاں ہے برابر

دونوں کا نہیں امر کم از امر الہی
دونوں کی حدیث آیہ قرآن ہے برابر

اک قطرہ جو ہو ابر سے رحمت کے انہوں کے
وہ نار سقر کے لئے طوقاں ہے برابر

ہے وزن مساوی انہوں میں حلم خدا کا
خالق کے وہ دو پلہ میزاں ہے برابر

اس حرف میں جو شبہ رکھے ہو کے مسلمان
اس شخص کا الحاد سے ایماں ہے برابر

سودا بہ دوئی بول مت آگے کہ نبی سے
اس مرتبہ وہ اشرف الانساں ہے برابر

جس طرح تجلی کو خدا کی نہیں تکرار
حیدر بھی محمد سے بدینساں ہے برابر

اے خامہ چل اب جلد مدینے سے نجف کو
منظور سعادت ہے تو یاں واں ہے برابر

شاہا در درگاہ کی تیرے جو ہے قدیل
کب جلوے سے اس کے مہ تاباں ہے برابر

جو خاک ہوا در کی ترے خاک اس کے
جو ذرہ ہے سو مہ درخشاں ہے برابر

ناقہ ترے مشتاق زیارت کا بہ رفقار
صر صرے سحر کی بہ بیاباں ہے برابر

واں مرتبہ رکھتا ہے جس خضر کے دل کا
داؤد کے رتبے سے حدی خواں ہے برابر

جو صاحب تحقیق ہیں ان سے نہیں مخفی
چشم اس کے میں تو ظاہر و پنہاں ہے برابر

پا زہر کی اور زہر کی شاہا یہ نباتات
جوں پرورش موسم باراں ہے برابر

تیرا بھی اسی طرح خلقت میں خدا کی
ہم دشمن و ہم دوست پہ احساں ہے برابر

لنگر جو ترے علم کا ہووے نہ زمیں پر
پانی پہ زمیں کشتی بہ طوفاں ہے برابر

پیشے میں عدالت کے ترے گرگ سے تاثیر
گلے کی نگہبانی کو چوہاں ہے برابر

ہر خاک کے ذرے کی صبا عہد میں تیرے
گلشن میں ترشح کی نگہباں ہے برابر

شاہا تو وہ عادل ہے کہ شمشیر سے تیری
دو حصے عدو ہو تو بہ میزماں ہے برابر

جوں مہر ترے رخسار فلک سیر کے آگے
ہند و عربستان و صفاہاں ہے برابر

تو راز الہی ہے کروں کیا تری تقدیر
گو منہ میں زباں ابر درافشاں ہے برابر

شایاں ہے ترے وصف کے قرآں کی فصاحت
یاں اس کے سوا طوطی و سحباں ہے برابر

جس جا چمن وصف نے گل تیرے کیا ہے
سون کی زباں سے یہ زباں واں ہے برابر

سودا بہ دعا ختم کرے ہے اسے شایا
تجھ مدح میں یہ نظم بہ ہڈیاں ہے برابر

یارب یہ سدا گوشِ زند اپنے ہو کہ باہم
دل دوستوں کا خرم و شاداں ہے برابر

کہتے پھریں دشمن کہ تپ غم سے ہمارا
آتش کدہ و سینہ سوزاں ہے برابر



در منقبت حضرت علیؓ

بسان دانہ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلی جو کام سے میرے پڑی ہزار گرہ

معقد اتنی ہے خاطر مری کہ جائے نفس
کروں گا میں بہ دم واپس شمار گرہ

عجب نہیں عوض اشک چشم سے میرے
چوئے بہ رنگ سحاب گلگ بار گرہ

نہ لٹ دھوئیں کی ہوں یارب نہ زلف محبوباں
رکھے ہے کیوں مری خاطر کو روزگار گرہ

کھلی نہ تجھ سے تمنائے دل کی میرے بات
رہی زمانے میں اک یہ بھی یاد گار گرہ

فلک کو پہنچے سر گردباد مجھ دل کا
جو ساتھ آہ کی پیچش کے ہو غبار گرہ

طرح ہلال کے ہوتا ہے ناخن تدبیر
کشاد کار ہمارے میں بدر وار گرہ

گیا ہے چھوڑ کے یوں دل میں عقدہ غم تیرا
کہ بند یار میں دے جائے جیسے یار گرہ

جہاں میں جو ہے گرہ اس کو پائداری ہے
نہیں سو بستی دل کی پائدار گرہ

کھلے نہ لب جس دل کے نالہ کرنے کو
ہمارے اشک کے ہے قافلے میں بار گرہ

بہ رنگ شیشہ ے وقت اشک دیزی کے
گلے سے پڑتی دل تک مرے ہزار گرہ

سوائے ناخن دست فنا مرے دل سے
کھل نہ بحر جہاں میں حباب وار گرہ

علاج قتل ہے واشد کا اب مری کہ ندان
پہنچتی ہے بہ دم تیغ استوار گرہ

کروڑ مرتبہ فصل بہار میں کھولی
صبا نے غنچوں کی جا سوئے لالہ زار گرہ

ہزار حیف کہ میرے دل برشتہ کی
کھلی نہ اے نفس سرد ایک بار گرہ

غلط ہے تو جو زمانے میں سمجھے یہ سودا
کہ کار بست سے یاروں کے کھولیں یار گرہ

بغیر ناخن شیر خدا جہاں میں کوئی
کسی کے کام سے کھولے نہ زینہار گرہ

غضب کے پچھے سے جس کے بہ رنگ دانہ اشک
نہ آسمان کی ہو جائے تار تار گرہ

ثبات چرخ یہ اس کے نہیب کے آگے
کہ جوں دھوئیں کی نہیں رکھتی اعتبار گرہ

جو ضرب گرز کی پشت فلک پہ اس کے آئے
تو کہکشاں وہیں ہو جائے شکل مار گرہ

گر اس کے عدل میں خس منہ پہ موج کے آ جائے
تو ہو سٹ کے وہیں بحر بے کنار گرہ

گٹھا ہے دل میں خیال اس کے وصف گلوں کا
ہوئی ہے غنچے میں یاں باد نو بہار گرہ

ثنا میں اس کے ولے کیونکہ اب بندھے مضمون
ہوا کو دے نہ سکے کوئی زینہار گرہ

ہر ایک اپنے موالی کے کیونکہ خاطر سے
نہ کھولے روز نبرد اس کی ذوالفقار گرہ

رکھے ہے اس کی برش آگے گوئے چرخ یہ حکم
کہ جیسے پیش دم تیغ آب دار گرہ

کیا میں فرض کہ اتنا ہے سر عدو کا ترے
کہ جس کے جوف میں گردوں سے آئیں چار گرہ

پر اس پہ تیر جو بیٹھے ترا تو یوں پھوٹے
کہ جیسے ہوتی ہے مکے کے وار پار گرہ

وفا کے روز سناں پر جو تو اٹھا لیوے
عدو کے سینے سے بھالے کی کر دوسار گرہ

تو نیزہ باز کبوتر کی طرح سے ہر دم
لگے وہ کرنے ہوا بیچ بار بار گرہ

زبس رواج ترے عہد میں ہے بخشش کا
بہ رنگ آبلہ دل ہے ناگوار گرہ

گدائے در نے ترے مہر کے تئیں زر سرخ
دیا ہے کھول کے دامن سے اتنی بار گرہ

شہا میں کیا کہوں انگشت دست کی اس کے
جنہوں کی گھس گئی کرتے ہوئے شمار گرہ

کبھو نہ کھل سکے مرضی سوا ترے تقدیر
کسی کے کام سے کھولے اگر ہزار گرہ

خصوص میں کہ معقد ہے یہ مری خاطر
کہ ہر گرہ میں ہزاروں ہیں جواں انار گرہ

پس اب بتا کہ اس الجھیرے کی سوا تیرے
کھلاوے کس کئے جا کر یہ خاکسار گرہ

وہ تیری ذات ہے مشکل کشا جو کھولے ہے
جہاں کے کام سے کیا لیل و نہار گرہ

امید مجھ کو بھی ہے تیرے حول و قوت سے
نہ کر سکے مری خاطر میں اب قرار گرہ

سپند گرمی آتش سے جوں گریزاں ہو
مرے بھی دل سے کرے اس طرح فرار گرہ

کروں ہوں ختم دعائیے پر سخن کہ ادب
زباں کو دے ہے خموشی سے شمع وار گرہ

موالیوں کے دلوں کو شکستگی کے ساتھ
ہمیشہ گل کی طرح دیوے روزگار گرہ

برائے خاطر اعدا زمانہ ہر اک آن
طلب کیا کرے غنچوں سے مستعار گرہ



در منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ

سنگ کو اتنے لئے کرتا ہے پانی آسمان
منہ پہ لاوے آری تا عیب روے مردماں

مستعد اتنا ہے یہ افی گزند خلق پر
بیچ اس کی چال کا دیکھو تو ہے شکل وہاں

خوان پر اس روسیہ کے مت سمجھ تاروں کو نقل
چمکیں ہیں تودے میں خاکستر کے یہ چنگاریاں

ختم اس پر ہو چکی بدخلقی و بدخصلتی
پھر نہ آیا اس کے گھر اس کا گیا جو مہماں

کام عالم کا بسان جوئے تصویر اس کے ہاتھ
بند رہتا ہے بہ معنی گو بہ صورت ہو رواں

کھولتا ہرگز نہیں ہے کار بستہ سے گرہ
تا نہ باندھا چاہے محکم کر اسے یہ بدگماں

تنگی اوقات کرتا ہے نصیب حسن و لطف
غنچہ گل سے سب رنگ و بو کا ہے مکاں

ناتواں کو دے توانائی اگر اس کی مدد
خار ہو جاوے وہیں زنجیر پائے رہ رواں

دیکھ تک احوال عنقا کا کہ اس ظالم کے ہاتھ
نام گر پیدا کرے کوئی تو مٹا ہے نشاں

درپے رنج و تعب دہتا ہے اہل درد کے
دکھ دہندوں کی ہوا خواہی میں دے ہے اپنی جاں

پابرہنہ در بہ در مجھ کو پھراوے دھوپ میں
خار کے سر پر کرے دامان گل کو سائباں

میل کھینچے دیدہ مینا میں یہ تاریک عقل
پر کرے کل الجواہر لے کے چشم سرمہ داں

ابر دریا بار کو برساوے دشت یاس پر
خشک رکھے مزرع امید ہر پیر و جواں

ہنس کو موتی چگاتا ہے سدا یہ بے تمیز
پوست کھینچے ہے ہما کا دے کے مشت استخواں

رشتے کی خاطر کرے سوراخ گوہر کا جگر
بہر سود ناکساں اس سے کساں کا ہے زیاں

گر اسے منظور ہو تن کی کسی کے پرورش
فائدہ اس کو نہیں کچھ بلکہ ہے نقصان جاں

چشم مطلب ہووے روشن دیکھ کر قصاب کی
فریبی سے بز اگر ہو جاوے مثل پہلوواں

دور میں اس روسیہ کے اب بجز بخل و حسد
دوستی کا تو کہیں ہرگز نہیں نام و نشاں

نور منہ پر شمع کے دیکھے تو جلتا ہے پتنگ
دشمنی معشوق و عاشق تک ہے اتنی درمیاں

ہاتھ سے خست کے اس کی جگ میں پیش خاص و عام
حال روشن دل کرے یوں مطلع ثانی بیاں

ماہ کی خاطر مقرر وقت شب ہے ایک ناں
پر جو یہ چاہے سدا ساری وہ ہووے سو کہاں

اک لب ناں کے لئے حیران ہوتے شہر شہر
مثل ماہ نو پڑے پھرتے ہیں عالی ہمتاں

کیا کروں اس کی طبیعت کے تدوین کو میں نقل
کیا کروں نیرنگی گردش کا اب اس کے بیاں

آن میں اوج حسب کو پہنچے مجہول النسب
خاک ذلت پر گرے پل میں فلاں ابن فلاں

چتر ہوتا کاسہ فقر اکثر آیا ہے نظر
بارہا تختے پہ دیکھا صاحب تخت رواں

تا کجا کہئے غرض اس سفلہ دوں کا مزاج
اک وتیرے پر نہیں گاہے چنیں گاہے چناں

پس جو ایسا کوئی اے دل نہ کیجئے اس کا ذکر
آشنا کر اب غزل خوانی سے تو اپنی زباں



گر شمیم زلف کا تیرے

گر شمیم زلف کا تیرے چمن میں ہو بیاں
نکبت گل سے پریشاں ہو دماغ بلبلاں

طوطی تصویر اس کے رو بہ رو کرتی ہے نطق
محو جو دیدار کا تیرے ہوا آئینہ ساں

مشرب عشاق پر تنہا نہیں ہے دست برد
ناز نے تیرے کیا پامال زہد زاہداں

عشوہ کرتا ہے جو کچھ تیرا جہاں کے سر پہ اب
چاہئے ہو تربیت اس سے جفاے آسماں

جس سے پوچھوں ہوں تو کیوں نالاں ہے سو کہتا ہے یہ
ہاتھ سے ان کافروں کے نام ہے جن کا بتاں

دل مرا دکھیا رہا ہے کاسہ چینی کی طرح
مو برابر ٹھیس لگتی ہے تو کرتا ہوں فغاں

ناز معشوقاں جو دیکھو جو گردوں سے زیاد
ہے عجب احوال دنیا میں کوئی جاوے کہاں

منہ کرو جیدھر کو تو ہوتی ہے آفت رو بہ رو
جس طرف جاؤ تو ہے درپے بلائے ناگہاں

اب کہیں عالم میں اے سودا نظر آتا نہیں
جز پناہ اس آستان کے موضع امن و اماں

جس کا پائے قدر ایسا ہے کہ دیکھیں ہیں جسے
تھام کر دستار اپنی عرش کے باشندگاں

کرسی اس گھر کی جو کچھ رکھے ہے قدر و منزلت
دیدہ تحقیق میں یہ عرش کا پایہ کہاں

سطح پر اس کے ملک پھرتے ہیں باذوق تمام
صحن میں کرتا ہے روح القدس مجرا جا کے واں

اس کی قدیل و چراغ آگے یہ خورشید و فلک
جوں چراغ مضطرب اک قمقمے کے درمیاں

شعلہ کوہ طور سے کیا کم ہے اس روضے کی شمع
دونوں آپس میں ہیں گویا خلقت یک دوماں

عالم لاہوت ہو اس کی نگاہ کا سیرگاہ
دیویں جس اُچی کو گرد اس کی اگر اک سرمہ داں

ہے عنایات و کرم کا مبداء عالم میں وہ قصر
دست فیض جاری اس کے سقف کا ہے ناوداں

ماتحتی اس در پہ ہر اک صبح محتاج و غنی
ماتمس ہر شام درباں سے گدا و خسرواں

کیا بتاؤں ہے جو کچھ اس کے کتابے کو شرف
جس کو سمجھے وہم رشک سرنوشت مرسلان

کھولے اک ناخن سے وہ کار دو عالم کی گرہ
معجزہ محراب سے اس در کے ہوتا ہے عیاں



ایک دن پوچھا مرے دل نے

ایک دن پوچھا مرے دل نے یہ پیر عقل سے
کس مکیں سے یہ شرف رکھتا ہے کہہ تو وہ مکاں

یہ کہا سن کر معاذ اللہ! اے ناداں خموش
کیوں کٹایا چاہتا ہے خلق سے میری زباں

مطلق اس معنی سے آگاہی نہیں میرے تئیں
مجھ پر اس تحقیق کا مت رکھ یقین بلکہ گماں

واقف اسرار اس کا ان کون چھٹ اسرار حق
راز کا اس کے نہیں جز راز حق کے رازداں

لیکن اتنا تجھ سے کہتا ہوں اگر ہے تجھ کو ہوش
سن کے یہ کر لے اسی سے اپنی تو خاطر نشاں

کعبے کو بت خانے سے ہرگز کرتا کوئی فرق
گر نہ ہوتا اس کا واں پائے تولد درمیاں

یہ سخن نکلا زباں سے جو نہی پیر عقل کے
سنتے ہی اس حرف کے دل نے کہا اس سے کہ ہاں

پس ید اللہ بے شک و لاریب بازوے نبی
قوت ہر یک ضعیف و طاقت ہر ناتواں

گوہر بحر حقیقت لعل کان معرفت
نور مہر لامکاں چشم و چراغ قدسیاں

اس کے شمع رائے سے روشن ہو جس جا گہ چراغ
عقل کل گرد اس کے بال افشاں پھرے پروانہ ساں

اس کے چشم فہم کے آگے سدا اپنے تئیں
ہے دو عالم میں جو کچھ مخفی سو رکھتا ہے عیاں

گر حقیقت کے چلے پردے کی سمت اس کی نگاہ
نکلے ہے اودھر سے استقبال کو راز نہاں



قطرہ

بار جب کرتے ہیں بخشش اس کی سائل کے لئے
اس قدر ہوتا ہے تب طول قطار بختیاں

قصہ جانے کا کیا چاہے اگر اس طول کے
اس سرے سے اس سرے تک پیک وہم مردماں

اس قدر ماندہ ہو پہنچے اس کے گر عشر عشر
تا ابد چاہے کہ اودھر سے پھرے طاقت کہاں



لا چکی ہووے عمل میں

لا چکی ہووے عمل میں وہ جو منہیات خلق
حکم اس کا بازگشت اس کے پہ گر ہووے رواں

کان کے پردے تلک پہنچی ہوئی صوت غنا
پھر کے اودھر سے چلے سوئے دہان مطرباں

کھینچ کر اپنی شرابیں سے شراب خوردہ کو
دانہ انگور کے شیشے میں کر دیں سے کشاں

اس کے حفظ عدل میں ہے کس توانا کی مجال
دیکھ سکتا ہو حقارت سے جو سوئے ناتواں

بندوبست ایسا ہے عالم میں کہ تار عنکبوت
کر گدن کے واسطے رکھتا ہے حکم ریسماں



اس قدر رکھتی ہے صولت

اس قدر رکھتی ہے صولت اس کی شمشیر دوسر
گر صف اعدا میں جا کر کیجئے اس کا بیاں

ڈال دیں روئیں تن اس ہنگام میداں میں سپر
مو سے باریک اپنی گردن کو بتاویں سر کشاں

کب ہو جلا د فلک میں اس گھڑی یارے نطق
ہونٹ لاگے چاٹنے لکنت کرے منہ میں زباں

انگلیاں اڑ جائیں دم پر اس کے دست وہم کی
آب داری اس کی گر کیجے قیاساً امتحاں



کس میں یہ قدرت جو کوئی

کس میں یہ قدرت جو کوئی منہ پہ اس کے آسکے
آشنا ہووے گر اس کے عکس سے آب رواں

دھار پانی کی وہیں لیتی زمیں کے قطر کو
کاٹ کر اودھس ہو نکلے پردہ نہ آسماں

صور اسرائیل سے کچھ حکم نہیں اس کا نیام
نکلے وہ اس میں سے تو شور قیامت ہو عیاں

جتنی ہے جمعیت افلاک ہووے منتشر
تاب کیا باہم رہیں اجزائے ارضی تو اماں

کیا بتاؤں جس قدر اس کی برش میں ہے صفا
کیا کروں میں زور بازو اپنے مولا کا بیاں

روز میداں سامنے آوے گر اس تن کا عدو
گوے نہ گردوں سا جس کے سر کا ہووے استخواں

جب کمر سے کھینچ کر مارے وہ اس کے فرق پر
موے سر سے ناخن پاتک نہ ٹھہرے درمیاں

ہے غرض جوہر تو یہ اس کا جو کچھ تم نے سنا
شکل و نام اس کا بتاؤں کیا تمہیں اے دوستاں

ہے دو انگشت قضاے مہرم اعدا کے لئے
ذوالفقار اس کے تیں کہتے ہیں لیکن مردماں

اس کے تو سن کا جو پوچھا خاے سے وصف جمال
پڑھ کے یہ مطلع کہا معذور ہوں اے مہرباں



حسن و لطف آشفستگی کا

حسن و لطف آشفستگی کا جس کے کانوں کا بیاں
باغ میں سون نہیں کر سکتی با چندیں زباں

دیں خراج آنکھوں کو جس کے چشم خواباں عرب
بانج دیویں یال و دم کو زلف و جعد مہ و شاں

اس کے شبے کو سمجھ کر قہقہہ کہتی ہے خلق
کیا یہ چرتا ہے بجائے کاہ کشت زعفران

خوش کمر اتنا کہ جوں پیوستہ ابرو میں ہو خال
جائے زیں ہے یہ گریبان و کفل کے درمیاں

خوش بدن از بس کہ ہے جوں اختر چرخ کہود
جلد کے نیچے سے ہر قطرہ لہو کا ہے عیاں

نقش سم جس دشت پر ہو اس کے جست و خیز کا
دیں غزالان حرم تک نعل بندی آ کے واں

گرم ہووے وہ پری پیکر تو اس کا حسن و لطف
دیکھے سو جانے سنے سے کس کے ہو خاطر نشاں

ہر گل رنگ حنا پر یوں عرق دے ہے بہار
لالہ زار اوپر ہو شبنم جس طرح گوہر فشاں

ہے چلاوے میں یہ اس گلگوں کے دم داری کا لطف
جوں پون پہنے سے لہراتا ہو سرو بوستاں

جب قدم لگتا ہے وہ محبوب تب ہر گام پر
صدقے کرتے ہیں خرام ناز اپنا دل براں

نک اچک جاوے عناں اس میں جو قاش زین سے
اس طرح اڑ جائے جوں چہرے سے رنگ عاشقاں

گر صف اعدا پہ سیدھا ہو تو جوں تیر تنگ
ڈائیے اس کو تو پہنچے پیش آواز دہاں

پر غلط ہے یہ کوئی اس کو ڈٹاوے کس جگہ
صفحہ روئے زمیں کا اس قدر عرصہ کہاں

ہو اگر یہ شرق میں اور سامنے ہو اس کے غرب
نک اسے راکب کہے اس وقت اتنا ہی کہ ”ہاں“

پہنچنے پاوے ہوائے ”ہاں“ نہ منہ سے تا بہ لب
پہنچے ہے یہ باد پیا یاں سے واں اور واں سے یاں

پس جو ایسا ہو تو کر سکتا ہے کوئی اس کا وصف
جز درود اس کی ثنا میں کہا کہے میری زباں

سن چکا سودا زباں سے میری اس مرکب کے وصف
اس کے راکب کی ثنا و مدح اور تیرا دہاں

ہے کروڑوں کوس شعر و شاعری سے اس کی مدح
دیکھو کرتا ہوں یاں زور طبیعت امتحاں

مرتبہ ہے جس جگہ اس کا خیال عقل کل
پہنچنے کا قصد واں رکھے تو ڈھونڈے زردہاں

وہ جناب عالی ایسا ہے کہ جس کی مدح میں
ہو سکے آدم کی خلقت سے کوئی رطب اللساں

انما کی آیہ نازل ہونے سے پیدا ہے یہ
مدح میں اس کے ہے خلاق زمین و آسمان

یہ سخن سن کر کہا میں نے کہ یاں تک اے قلم
دور عقل و ہوش سے میرے تئیں مت کر گماں

ہے یہ تیرا ہی خیال ایدھر کہ میں کرتا ہوں مدح
مور سے بیہات کب وصف سلیامس ہو بیاں

ہے غرض اس نظم سے اتنی ہیں کچھ تا کیجئے
عرض اپنے حال کی نزد شہ ہر دو جہاں

یا ولی اللہ ہے مجھ پر تیفن گرچہ یہ
ہے وہ کیا مخفی جہاں میں جو نہیں تجھ پر عیاں

لیکن از بس جور گردوں نے کیا ہے مجھ کو تنگ
مضطرب ہو کر میں اپنا حال کرتا ہوں بیاں

آفت نو گر بہم پہنچے کسی کے واسطے
بھیجتا ہے اس کو یہ مجھ پر برائے امتحاں

خانہ چشم خلاق سے اٹھا کر خواب کو
ہیں جہاں طالع مرے دیتا ہے اس گھر میں مکاں

ہر کسی کے بھیجے ہے اوج سعادت کے لئے
مژدہ دینے کہہ ہما کو میرے مشت استخوان

گلشن امید سے لے کر نسیم صبح دم
دے چراغِ بخت کو میرے ہمیشہ ارمغان

گوش زد میرے نہ کی ان نے کبھی آواز خوش
جب سے میں نے آ کے دیکھا ہے جہاں کا گلستاں

بانگ چغد دشت کر دیتا ہے اس کا انقلاب
سمع تک پہنچے اگر میرے نوائے بلبلان

کب تک بے امتیازی کیجے اس ملعون کی ذکر
تا کجا اس کے جفا و جور سے کیجے بیاں

ذاتِ ہوں جس طرف بنیاد اپنے گھر کی میں
اس طرف کرتا ہے یہ سیل خرابی کو رواں

گرچہ ہوں بے خانماں اس کی عداوت سے ولے
خوش ہوں میں نے رنجِ درہستن نہ فکرِ پاساں

پر مجھے ہے دغدغہ اتنا کہ یہ ظالم کہیں
سرزمینِ ہند کو سوئے نہ میرے استخواں

اے شہِ دنیا و دیں تجھ سے ہے میرا اک سوال
مطلعِ پنجم سے ہے اس نظم میں جس کا بیاں



itsurdu.blogspot.com

تجھ ہم سے نفع کو پہنچے

تجھ ہم سے نفع کو پہنچے زمین و آسمان
مہر و مہ لیں سیم و زر اور لعل و گوہر بحر و کاں

کچھ عنایات و کرم سے اپنے مجھ کو بھی دلا
لیکن اس داد و ستد کے شرط ہے یہ درمیاں

خواہش دل کے موافق اپنے جو چاہوں سو لوں
ورنہ جو ہمت ہے تیری کیا کروں اس کا بیاں

مانگے جو زیرے کا دانہ پاوے وہ کرماں کا مالک
چاہے جو طوطی کا پر اس کو ملے ہندوستان

ایسی بخشش کے کہیں عہدے سے بر آتا ہوں میں
تیری ہمت کے موافق لوں تو میں رکھوں کہاں

ہاں مگر یوں ہو کہ تیرا پنچہ معجز طراز
ایک مٹھی بیج کر دیوے مجھے دونوں جہاں

اور بعد از مرگ ہو یا شاہ دیں مہشت عبیر
واسطے جیب و کفن کے تیری خاک آستان

پر مرا مطلب تو یہ کچھ ہے تیرے در سوا
سر فرو لاؤں نہ میں پیش در نواب و خاں

اس سوا اور کیا تمنا ہے کروں میں جس کو عرض
چیز کیا ہے مایہ دنیا بہ پیش عاقلان

کر تو سودا اب قہیے کر دعائے پہ ختم
گو خطاب اس کو دیا ہے تو نے ”بحر بے کراں“

تا کہ ہیت کو زمانے کی ہے یا مولا قرار
منجھ جب تک ہے اجزائے زمین و آسمان

دوستوں کو تیرے نت اوج سعادت ہو نصیب
خاک ذلت سے رہیں یکساں ہمیشہ دشمنان



در منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

یار و مہتاب و گل و شمع بہم چاروں ایک
میں کتاں بلبل و پروانہ یہ ہم چاروں ایک

ہے مجھے ابرو و ہوا شیشہ و جام اب کہ ہوئے
گریہ و نالہ دل و دیدہ نم چاروں ایک

یار ہی کلبہ احزاں میں نہ ہووے تو ہمیں
خلوت و شمع و دل و داغ الم چاروں ایک

آہ کس کس سے بچے دل کہ ہوئے ہیں تیرے
غمزدہ و ناز و ادا عشوہ صنم چاروں ایک

بادتند و شرر برق و خس و خار اے یار
خو تری خلق ہوئی ہو کے بہم چاروں ایک

یار اس کو ہے جسے تجھ سے رضا و تسلیم
لطف و اشفاق ترا جور و ستم چاروں ایک

جس کے تو پاس نہ ہووے تو اسے عالم میں
مجلس و شادی و تنہائی و غم چاروں ایک

سبزہ ابر و ہوا گل نہ سدا ہوں کیجا
ساقیا جام کہ ہیں یہ کوئی دم چاروں ایک

آن نزدیک جو ہیں خاک نشین در یار
مند و روئے زمیں تخت و کلم چاروں ایک

زاہد و پیر مغاں بہمن و شیخ اے یار
دل میں رکھتے ہیں ترے ہاتھ سے غم چاروں ایک

کر دیا پل میں کرشمے نے تری آنکھوں کے
مسجد و مے کدہ و دیر و حرم چاروں ایک

خرد و ہوش و دل دین کریں ہیں پیدا
دیکھ کر یار تجھے صورت رم چاروں ایک

کاغذ و خامہ و تحریر و مرکب سودا
ہو کے کہتے ہیں بہ یک اہل کرم چاروں ایک

شاہ مرداں تری خلقت جو نہ ہوتی منظور
ہوتے عنصر نہ کبھو مل کے بہم چاروں ایک

دشمن و دوست بد و نیک زمانے کے بیچ
حکم رکھتے ہیں ترے پیش کرم چاروں ایک

ماہ نو پشت فلک قوس قزح تیر شہاب
بار احساں سے ترے رکھتے ہیں خم چاروں ایک

خلق سمجھے ہے کہ ہیں نزد تری بخشش کے
اشرفی روپیہ اور دام و درم چاروں ایک

یہ غلط فہمی ہے ہیں ورنہ تری ہمت پاس
در مکنون و خزف قطرہ و یم چاروں ایک

طبع انساں میں ترے عدل سے رکھتے ہیں اثر
حفظ و آب بقا شربت و سم چاروں ایک

ستم و ظلم و تعدی و جفا عالم سے
ہو کے آپس میں گئے سوئے عدم چاروں ایک

آفت و قہر و بلا و غضب آفاق کے بیچ
ہو کے پوچھیں ہیں تری تیغ کا دم چاروں ایک

در پے عدل ہے اتنی جو لگے وہ دو پر
مانپنے ان کو تو نے بیش و نہ کم چاروں ایک

حکم رکھتے ہیں بہ میدان سخن تیرے پاس
نیزہ و تیر قضا سیف و قلم چاروں ایک

شیر و پیل و بز و روباہ ترے آگے سے
بھاگ جانے میں ہیں دم کر کے علم چاروں ایک

رنگ عشاق و ہوا برق زمانے کے بیچ
تیرے توں کا ہوئے مل کے قدم چاروں ایک

وہم و اندیشہ خیال اور وہ معشوق نژاد
رکھتے ہیں قطع مسافت میں یہ دم چاروں ایک

انوری سعدی و خاقانی و مداح ترا
رتبہ شعر و سخن میں ہیں بہم چاروں ایک

ایک ڈنکا ہے اب اقلیم سخن میں ان کا
رکتے ہیں زیر فلک طبل و علم چاروں ایک

سخن و نطق و زباں اور فصاحت ان کی
سن کے سجاں کہے نے لا و نعم چاروں ایک

عیب ہیں ہو کے جو دیکھے کوئی ان کے اشعار
آنکھیں اس شخص کی اور گوش اصم چاروں ایک

جوہری ہووے جو بازار سخن کا سو کہے
قدر و قیمت میں ہیں باہم یہ رقم چاروں ایک

شیشے موتی سے نہیں کام کس کو ان کو
ہو کے اس بات پہ کھاتے ہیں قسم چاروں ایک

جہو گر ان کی ہو منظور کسی شاعر کو
کر جدا ایک کو ان سے کہے ہم چاروں ایک

کر دعائے پہ سودا تو سخن ختم کہ ہیں
اثر و وقت و زباں دست بہم چاروں ایک

یا الہی طرب و جشن و نشاط و ممدوح
رہیں آفاق میں تا حشر کے دم چاروں ایک



itsurdu.blogspot.com

در منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اٹھ گیا بہن و دے کا چمنٹاں سے عمل
تغ اردی نے کیا ملک خزاں متاصل

سجدہ شکر میں ہے شاخ شردار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عزوجل

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے پات تک پھول سے لے کر تا پھل

واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کے بیج
آب جو قطع گلی کرنے روش پر مائل

بخش ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی
پوش چھینٹ قلم کار بہ ہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کار نقاشی مانی ہے دویم وہ اول

تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے نگرگ
بار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹے ہے سبزے پر از بس کہ ہوا ہے بے کل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمی نظراہ سے جاتی ہے پگھل

جوش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاؤ زمین کے بھی جو پھوٹے کونیل

دم عیسیٰ سے فزوں فیض ہوا ہے یاں تک
دین میں قسم جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنی
کہیں دعوایے خدائی نہ کریں لات و ہبل

حد ایام کے پیش از مدد نامیہ سے
بچہ مرغ چمن ختم سے آتا ہے نکل

بہار ہوتا ہے فصیحی کے سخن پر ہر بار
جو زباں سے سخن اب طوطی کے آتا ہے نکل

دست گل خوردہ و شاخ گل گلزار بہم
یہ جہاں نشو و نما کرنے میں ہیں ضرب مثل

غنجے پر کچھ نہیں موقوف عجب فصل ہے یہ
گل بہم پہنچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے اب کے نظر لاکھ طرح کا وہ گل
ان گلوں چھٹ جو نگہ کے ہیں سدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا
چاہتی ہے بہ ساجت کرے بہار سے بدل

چشم زگس کی بصارت کے زبس ہے درپے
غنجے لالہ نے سرے سے بھری ہے مکمل

اس قدر محو تماشا ہے کہ زگس کی طرح
چشم سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل

آب جو گرد چمن لمعہ خورشید سے ہے
خط گلزار کے صفحے پہ طلائی جدوں

سایہ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل

سنگ نے رتبہ آئینہ کیا ہے پیدا
تنج کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جا رہے سنبل پہ پھل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

اتنی ہے کثرت لغزش بہ زمیں ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بل

فیض تاثیر ہوا ہے یہ کہ اب حظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور غسل

دانہ جس شور زمیں پر نہ پھلا دہقاں سے
سبز واں دانہ شبنم سے ہوا ہے جنگل

کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل

سبز قلم ان دنوں آتا ہے نظر ہر گل رو
خواہ ہو شیخ پسر خواہ وہ فرزند مغل

جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل
آ گیا لعل و زمرہ کے پرکھنے میں خلل

تا کجا شرح کروں میں کہ بہ قول عرفی
اخگر از لطف ہوا سبز شود در مستقل

نسبت اس فصل کو پر کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رہے گا سبز بہ ہر مجمع و ہر یک دنگل

تا ابد طرز سخن کی ہے مرے رنگینی
جلوے رنگ چمن جائے گا اک آن میں ڈھل

نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی
اک طرف نار گلستاں میں ہے اک سو حنظل

ہیں برومند سخن ور مرے ہر مصرعے سے
مصرع سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل

ہو جہاں کے شعر مرے آگے سربز
نہ قصیدہ نہ مخمس نہ رباعی نہ غزل

ہے مجھے فیض سخن اس کی ہی مداحی کا
ذات پر جس کے مہرہن کنہ عزوجل

مہر سے جس کے منور رہے دل جوں خورشید
روسیہ کینے سے جس کے رہے مانند زحل

بغض جس کا کرے جوں مور سلیمان کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے یلوں کا سا بل

جائے وصلت بہ نبی جس کو نہ دی غیر از عرش
فرش گلزار زمیں حق نے سمجھ مستعمل

شیر یزداں شہ مرداں علی عالی قدر
وصی ختم رسل اور امام اول

خاک نعلین کی جس کے مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے ازل

وہ نظر آئے اسے دہر کی پینائی سے
رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل

مدح غائب سے کھلے اس کے نہ مدح کا دل
رو بہ رو مطلع ثانی سے یہ ہو عقدہ حل

دید تیرا بہ دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ چشم احوال

تیری قدرت بہ جہاں قدرت خالق کے لئے
خلق کے وہم غلط کار میں ٹھہری ہے مثل

مرضی حق تیری مرضی سے ہے جوں جوہر فرد
اس یقیں میں نہ گماں کر سکے زہار خلل

علم تیرا نہیں کچھ علم خدا سے باہر
ہے عمل بھی وہی تیرا جو خدا کا ہے عمل

رائے تیری کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسیٰ کا مداوا بہ کسل

سر کے پیکان نہ بچنے سے کہاں کے سر مو
ہو اشارہ جو ترا تیر تھا کو کہ نہ چل

نک تری مرضی سے باہر جو کرے کار جہاں
ہاتھ سے کام زمانے کے وہیں جائے پچل

معنی علت غائی جو نہ ہو تو ان کا
خانہ ہر دو جہاں پھر ہوں دو بیت مہمل

سائے میں دست کرم کے ترے ہر صبح و مساء
دولت ہر دو جہاں سے ہو غنی عبد اقل

دین و دنیا کے ہے اشیا سے کہیں وہ اعلیٰ
ہوئے جو شے ترے اشیا میں سمجھوں سے اسفل

جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اس کے در کا وہ گدا کہئے جسے اہل دول

ایسی بخشش نہ ہوئی تجھ سے کہ جس کی بہ شمار
حد تعداد ہے جتنی نہ ہوئی ہو فیصل

وصف تجھ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل مجھوں کے جو میداں میں کرے ہے صیقل

اس کے قبضے پہ جو ہو دست مبارک تیرا
نہ رہیں دین محمد کے سوا اور ملل

کھینچ اسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
استقامت کا زمانے کے قدم جائے نکل

عرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرکہ پرداز اوکل

جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواسِ خمہ
دیکھ کر اس کو علم ہاتھ میں تیرے اک پل

تو ام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
منجھد رہنے میں ان کے وہیں آ جائے خلل

نرم اور سخت مساوی ہے کسو پر آوے
خواہ بر روئے قز و خواہ وہ بر پشت جبل

اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ نہ مڑے وہ نہ پڑے اس میں بل

زیر راں ہے جو ترے رخس فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہئے نہایت اچل

شکل کیا اس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی ہے کل

اس کے سر چوٹی کا میں حسن کہوں کیا جس کے
زلف معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل

یرغہ و گام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اس کے چھل بل

یلہ وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے
پڑ سکے پیچھے نہ اس کے کوئی جز اس کے کفل

جست و خیز اس کی بیاں کیجئے گر پیش حکیم
اعتقادات حکیمانہ میں آ جائے خلل

قاش سے زین کے ذمہ جو اچک جاے عناں
مارے جوں روئے زمیں پشت فلک کو وہ کھنڈل

میخ سے نعل کے اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بہ یک آن زحل

اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
نسبت اس کے فرس ایسا کہ جسے کہئے اچل

توسن وہم کو دوڑائیے ساتھ اس کے تو ہو
بازگشت اس کی تمام اس کے بہ گام اول

خانہ زین کب اس کا ہے کم از بیت اللہ
تجھ سے معنی کی نشست اس میں ہو جب روز ازل

ہیت عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل

سامنے بزم کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دہل

مورد سنگ ہو شیشہ تو غضب سے کر دے
کوہ کو ہر دو کف دست میں مل کر خر دل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی شاہا
آنچ سے آگ کے ٹک خس میں جو آ جاوے بل

کرہ نار تجھ آتش سے غضب کے جل کر
چشم لولی فلک کے لئے ہووے کاجل

مرغ زرین فلک عہد میں تیرے شاید
بوجھ کر دانہ گیا ہے کسی اختر کو نگل

تار تار اس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
باز قدرت نے ترے بچے سے ڈالا ہے مسل

ذکر و اذکار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب زباں پر اک پل

شعلہ شمع کی گرمی سے یقین ہے دل پر
شب سے صبح قیامت نہ سکے موم گچھل

امر سے نہیں کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ہے مناہی کا بھی یاں تک بہ ذل

کہ حیا سے بہ چمن غنچہ سر اپنا کیا دخل
نسبت شکل صراحی سے اٹھاوے اک پل

جب سے گل بولتے بلبل نے قمار کو سنا
عشق گل تب سے دھوا کرتی ہے دل سے مل مل

جوش میں آئے یہ کیا معنی بہ خم لائی شراب
چشمے سے میں یہ ڈروں ہوں نہ سکے آب اہل

رقص بے دخل کچھ اب روئے زمیں پر ہی نہیں
پیچھے لولی فلک کے بھی نہ باجے منڈل

کیونکہ آواز معنی ہو گلے سے باہر
شرم سے ساز کے پردوں میں غنا ہے اوجھل

امر حق سے جو ملائک نے یہ چاہا سونپیں
حلم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھ اس میں ہے بہت ہم ہیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ہی پایا متحمل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسی سے نہیں سکتا ہے سنبھل

دشت ارزن میں جو سماں کو ملی تجھ سے نجات
کچھ ترے وصف سے نسبت نہیں رکھتا یہ عمل

گر اسے کر کے بیاں سمجھو ثنا کی میں نے
خلق سمجھے گی دماغ اس کا ہوا ہے محفل

جہہ سا جو کوئی در کا اسد اللہ کے ہے
گلہ شیر کو رو بہ کے نہ سمجھے پشکل

محرم کنہ جو تیرا ہو کرے تیری مدح
سو تو جز علم خدا علم ہے سب کا مہل

وصف تیرے کے ہے شایان زباں تیری ہی
سمجھے تو آپ کو یا تجھ کو خداوند اجل

مدح اپنی نہ سمجھے یہ جو کہا میں اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ہے سخن یہ اسفل

عرض احوال ہے اپنا ہی مجھے اس سے غرض
تا بہ آخر یہ جو موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ہے رہا ہووے جو تجھ سے مخفی
نہیں راز دو جہاں تیری نظر کے اوجھل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن
ایک سے دونوں ہیں کیا ماضی و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ہے آٹھ پہر دل میرا
گردش چرخ سے جوں شیشہ ساعت بے کل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مری چشم میں خواب اس سے شبانہ اک پل

کہی جاتی نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے
جس طرح کی مرے اوقات میں ڈالی ہل چل

لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا لشکر میں
پال بے چوب تلے اپنے بغیر از پرتل

اس ستم گار سے جب زور مرا کچھ نہ چلا
تب میں ناچار کہی شکوے میں اس کے یہ غزل



داد کو کس کے فلک پہنچے

داد کو کس کے فلک پہنچے کہ از روز ازل
صبح جو نکلے ہے خورشید تو لے کر مشعل

سامنے اس کے اٹھے دستِ تظلم اس کا
جوہر عقل میں جس شخص کے آ جائے خلل

خود یہ ظالم ہے تظلم پہ کرے کس کے نظر
دانہ فریاد کرو آسیا ڈالے ہے دل

راست کیشوں سے کبھی اتنی ہے اس ملعون کو
کہ دیا سرو کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل

سات یہ فتنے ہیں کہتے ہیں جسے ہفت فلک
ایک سے ایک بڑا ایک کے اک زیر بغل

میں یہ دیکھا نہ کہ از فحل حیات انساں
بر لے آوے عمل اس کا کبھو امید و اہل

ہے کہیں مہر و کہیں کیں جو اسے عالم سے
علم اس کا ہے عجب عقدہ مالا نخل

اس ستم گر کے تلون سے بہ عالم ہرگز
شادی و غم میں نہ دیکھا میں تفاوت اک پل

سینہ کوٹے ہے نکلتے ہی وہ دروازے پر
گر کسی گھر میں کوئی جا کے بجاتا ہے دہل

حلقہ مارے یہ وہ افعیٰ ہے محیط عالم
زہر کا جس کے نہیں ہے کوئی پازہر بدل

فی الحقیقت ہیں یہ سب آبلے آخر نہ سمجھ
اس کے اندام پہ مہتاب سے لے تا بہ زحل

زہر اپنے کو جو ہیت سے تری یا حیدر
آپ پیتا ہے گیا ہے بدن اس کا سب پھل

کر کے دریافت اس احوال کو اب یا مولیٰ
تجھ سے یوں عرض کرے ہے یہ ترا عبد اقل

یہ نہ کر مجھ پہ گوارا کہ گزند اس کی سے
ہند کی خاک میں اجزائے بدن جاویں گل

جلد پہنچا بہ زمین نجف اس عاصی کو
کہ اسے عمر ابد ہے وہ جو واں آئے اجل

یاں معاش اپنی نہ سمجھوں ہوں نہ میں اپنی معاد
اخذ و جر میں ہوں بد و نیک سے باکر و دخل

تجھ سے جز راستی کیا عرض کیا جاتا ہے
علم میرا ہے یہ علم اور عمل ہے یہ عمل

مجھ کو کچھ عذر نہیں اس میں ترا ہوں میں غلام
بہل و تعزیر سے تیرے نہیں سکتا میں نکل

مدعا اتنے عرائض کا مرے ہے یہ عرض
سرفرو ہو نہ مرا یاں بہ در اہل دول

میری قسمت کے موافق تو معین کر دے
اپنی سرکار سے واں ماتحتل کا بدل

ہاتھ پھیلائے جا زیر فلک کس کے حضور
دست ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس مر میں ہے حق بہ طرف خلقت کے
کر کے جب دیدہ قسمت سے سمجھوں کے اوجھل

جوہر جود و کرم تھا سو بہ روز تقسیم
لکھ گیا ہوئے ترے نام ہی منشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی ٹک سودا کو
بخش اے قوت بازوئے نبی مرسل

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائے پر
نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز بہ بستان جہاں
پاوے تا نیر اعظم شرف از برج حمل

برگ پیدا کرے تا باغ میں ہر ایک نہال
پھوٹے تا نامیہ سے شاخ شجر میں کونیل

خوشہ روئیدگی خاک سے تا پہنچے بہم
مور میں تا کشش دانہ کا خرمن سے ہو بل

تا کرے سبزہ بہ رخسار گل اندام نمو
تا پڑے سنبل پیچیدہ محبوب میں بل

تا رہے داغ دل سوختہ عاشق کو
پھولتا لالہ خود رو رہے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرہ نیساں سے ہو جب تک گوہر
کڑکے تا وقت ترشح کے ہوا میں بادل

لب معشوق کو تا شہرہ دیں شاعر بہ شفا
چشم زگس کے تئیں تا کریں نسبت بہ کسل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج ہو اب کی تا سرو کے پا میں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردن قمری کا محل

تا لب جو پہ کرے خیمے کو استاد حباب
تا بچھاوے بہ روش سبزہ فروش محمل

شاخ کے ہاتھ میں ہو تا بہ چمن ساغر گل
گل کے جب تک رہے غنچے کی صراحی بہ بغل

تا بہ مے خانہ پیئیں بادہ گل گوں مے خوار
ساتھ مطرب کے بجے تا دف و نے چنگ و دہل

پھرے تا باغ میں مہر ایک روش پر سرخوش
راہ چلتے میں قدم مست کا تا جائے پھل

مہ کے پرتو سے ہو تا چاک گریبان کتاں
گل خورشید سے تا عشق رکھے دانہ طل

قدر ہو عود کی تا مہر و آتش سے فزوں
لطف بو تا رہے عالم میں بہ چوب صندل

تا مسمی رہے یہ نظم بہ ”باب الجنت“
جب تک اس سے بر آوے مری امید و اہل

نخل امید سے تیرے ہوں برومند محب
ہو محبت نہ تری جن کو نہ پاویں وہ پھل
◆◆◆

itsurdu.blogspot.com

در منقبت حضرت حسین علیہ السلام

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار
کہ سرنوشت لکھی ہے مری بہ خط غبار

چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ روئے مرے روزگار پر شب تار

کروں ہوں تیز میں دندان اشتہا ہر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ہے نہار

عجب نہیں ہے کہ جاتی رہی ہو دنیا سے
زبس خوشی نے مرے دل سے اب کیا ہے فرار

شراب خون جگر ہے مجھے گزک لب خویش
صدائے نالہ دل مجھے ترانہ یار

رہی نہ شیشہ صحبت کے بیچ کیفیت
نت اٹھ کے سنگ لے اس سر کا توڑتا ہوں خمار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
تھکت سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار

زبس کہ دل ہے مکر مرا زمانے سے
بجائے اشک میں آنکھوں سے پونچھتا ہوں غبار

کہاں تلک وہ کرے روز کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سوغند کھائے ہے ادبار

دلا اس اپنے غم دل کو نت غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زہار

کسو سے یاں غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار

جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمہ داؤد و نالہ دل زار

تو سادہ لوحی سے اے دل جہان ہے کج فہم
کرے ہے راستی اپنی سے ہر زماں گفتار

میں حرف حق کو سنا ہے زبانی منصور
کہ راست گو کو زمانے میں کھینچے ہیں دار

عجب نہیں کہ ہے ابلیس اس سبب مخفی
کہ ہو جیئے گا عبث مردم جہاں سے دو چار

شب گزشتہ پٹ درد سے میں تھا بے تاب
گزر کیا چمن فکر کی طرف ناچار

سنی میں ایک غزل بلبل طبیعت سے
کہ دل کے لخت گرے چشم سے ہزار ہزار



نہ پوچھ مجھ سے کدھر ہے

نہ پوچھ مجھ سے کدھر ہے خزاں کہاں ہے بہار
کہ بلب قفسی کو ہے گل سے کیا سروکار

عجب نہیں ہے کہ باد سموم ہو جاوے
نیم گر کرے اک دم مرے چمن سے گزار

نہیں ہے شادی بے غم چمن میں دنیا کے
کہ چاک کر کے گریباں بنے ہے گل اے یار

کہاں بہار کہاں ساقی اور کہاں ہے شراب
کہاں مغنی و مطرب کدھر ہے ناخن و تار

فلک کے ہاتھ سے اتنی بھی وا رہے نہ رہے
کہ خوب رویے دل کھول کر پکار پکار

شگفتگی سے مرے دل کے یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشہ خاطر کو بھی کیا مسمار

پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح بھی کسی دل کو دیجئے آزار
◆◆◆

itsurdu.blogspot.com

تقطعہ

رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار

کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا
چراغ بت کدہ و خشت خانہ شمار

کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
زبس پھرا ہے سر اس کا ہوا ہے کج رفتار

دکھائیے گا اسے مرد یوں کریں ہیں عزم
مشیت ازلی بھی ہوئی جو ہم سے برآر

تو روسیاء کر اس ہند کا کوئی دن میں
اسی دیار کی گلیوں کا ہو جنے گا غبار

جہاں کی خاک کو ہے یہ شرف عجب کیا ہے
کہ فخر عرش ہے گر ہووے اس کے قرب و جوار

جہاں کی مرگ کو کہتا ہے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار

جو کچھ کہ مجھ سے سنا صدق سے تو باور کر
محمدی سے فرنگی ہو جو کرے انکار

خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طیب ہوئی ہو مسیح ہو بیمار

فلک سے اس کو ملائک لے آ کے واں ہوویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار

اگر وہ خاک دے اس کو شفا کی نیت سے
قضا قضا ہی کرے ٹک اگر کرے تکرار

زمیں وہ نور سے اس مرتبہ ہے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو وقار

اسی ہی غم سے جہاں میں ظہور کرتی ہے صبح
ہمیشہ پنچہ خورشید اپنی جیب پہ مار

ہوا کے وصف میں اس جا کے گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سرسبز تا بہ روز شمار
◆◆◆

itsurdu.blogspot.com

زبس ہوانے طراوت کو

زبس ہوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار سنگ میں ہیں رشک دانہ ہائے انار

صبا گزر کرے اس جا سے گر یمن کی طرف
نہ ہو سوائے زمرد عقیق واں زنہار

جو نخل خشک کی تصویر کھینچے واں نقاش
ہر ایک شاخ وہیں سبز ہو کے لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانے سبز
اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سبھ زوار

غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعہ زمیں پہ بہار

یقین ہے دل کو اگر ساکنان جنت سے
جو کوئی سیر کرے اس دیار کا گلزار

زبس تماشے سے آنکھوں کو واں نہ ہو سیری
پلک کو موندنا نرگس کی طرح ہو دشوار

انہوں کی نظروں میں ہو گی بہشت کی کیا قدر
جنہیں ہے مسکن و ماویٰ کے واسطے وہ دیار

بہشت عرض کریں یہ جناب اقدس میں
عجب نہیں کہ اسی شرم سے بہ روز شمار

جو کربلا کے ہیں ساکن انہوں کو ہو یہ امر
سوائے عرش نہ کیجئے کسی طرف کو گزار

تری تو ذات پہ روشن ہے جزو کل کا حال
بھلا ہے پردے ہی میں رکھے جنتوں کا وقار

غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفسار

خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار

دیا جواب زمیں نے کہ اے فلک ہیہات
نہ دیکھو مجھ سے تناسب تو اس کو دیگر بار

نہیں ہے خاک وہ ہے آبروے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کل الجواہر الابصار

اگر نہ چشم کواکب کو پہنچے اس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بچ تو رفتار

مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار

امام مشرق و مغرب شہ زمین و زمن
رموزدان خدا در لہ اسرار

زہے امام زماں خاک در سوا جس کے
قبول ہو نہ کبھو سجدہ نماز گزار

اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار

مہندسان قضا اپنے ہندسوں سے اگر
سوائے مشورت اس کے جسے لکھیں اک بار

عجب نہیں ہے کہ نکلے نہ تا دم محشر
زباں خامہ سے کچھ لفظ غیر استغفار

خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی رائے بدلنا طبعیوں کا قرار

ابھی فتا کرے منفذ ہوا کا ذرہ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اس کا حکم اٹھاوے جہاں سے رشتہ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رہے زنار

یقین تو جان کہ میزان عدل میں اس کے
ہوا ہے دانہ خردل برابر کہسار

اسی کے عدل میں ہے یہ کہ چیونٹی کے حضور
مجال کیا ہے کہ دم مارے اژدر خوں خوار

شکوہ خیمے کا اس کے بیاں کروں لیکن
کہاں خیال کو ہے پہنچنے کا واں تک بار

کہ جس کی دیکھ کے رفعت فلک ہے چکر میں
اسی کے بوجھ سے ہے صفحہ زمیں کو قرار

نہیں ستارے ہیں یہ بلکہ لوٹتا ہے اب
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ہے عرش اسے اپنی جہہ پر صندل
گر اس کے فرش کا جاروب سے اٹھے ہے غبار

کیت خامہ نے اب اس کے وصف گل گوں میں
کیا ہے صفحہ کاغذ کو تختہ گلزار

چمن میں صنع کے جس کی سبک روی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ہو کے جب چمکتا ہے
نہیں پہنچتی ہے برق اس کی گرد کو زہار

بیان جلدی کا اس کی کہاں تلک میں کروں
ملک کو جس کی سواری کا عزم ہے دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے
سکھائی جس کو سواری وہی ہو اس پہ سوار

امیدوار ہوں غیبت سے اب بلا مجھ کو
حضور یا خلف الصدق حیدر کرار

کہے ہے اشد ان لا الہ الا اللہ
عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

مقابلے سے کہاں کے ترے عدو تیرا
کبھو نہ نبھ سکے روز نبرد کر کے فرار

جہاں نہ پہنچے ہے تیر خیال کا پیکاں
کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سوار

تیرے دیار کی چیونٹی کے زور سے شاہا
کہاں زباں کو ہے طاقت کہ کیجئے گفتار

امور سلطنت اس کے بغیر مرضی کے
اگر جو ہوویں سلیمان نہ کر سکیں زہار

نمط حباب کے قالب تہی کریں دریا
گرے جو ان پہ ترے آتش غضب سے شرار

بیان حلم کا تیرے میں کیا کروں ہسپات
تو ہے گواہ جو کچھ تجھ پہ ہو چکا ہموار

کریں ہیں نہ ورق آسمان کوتاہی
شہا اگر تری بخشش کا کیجئے طومار

بھرا زبس شکم حرص جود نے تیرے
نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابر فیض کے آگے
کرے نہ گر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تری کیما اثر اتنی
اگر وہ ہو کرہ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز
عجب نہیں ہے بغیر از طلّائے دست افشار

شہا! ہمیشہ ترے بندگان عالی کے
جناب میں یہی سودا رکھے ہے عرض چہار

چہار عرض سے اب اولیں ہے یہ
کہ ہند پنج پریشاں نہ ہو یہ مشت غبار

صف نعال میں اپنے بلا کے دے جا گے
کہ نور مغفرت اس کے لئے ہو شمع مزار

سوائے خاک در اپنے سے اس کو یا مولا
دویم ہے یہ تو کسی در سے اب نہ دے سروکا

سیوم اگرچہ سراپا ہے جوہر ذاتی
ولے ہمیشہ تہی دست ہے بہ رنگ چنار

چہارم ایک کہ ہمہ دوستاں بہ ہر دو جہاں
قبول ہوویں بہ حق ائمہ اطہار

رہے فلک پہ مہ و مہر جب تک قائم
ہمیشہ دیکھے اسی طرح چشم لیل و نہار

موالیوں کے قدم سے لگا رہے اقبال
جدا نہ ہو سر اعدا سے چنگل ادبار



itsurdu.blogspot.com

در منقبت حضرت موسیٰ کاظم

ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تک
جوں شمع زندگانی ہے میری زباں تک

خاموشی آگینے کی کہے حال روئے خلق
روشن دلوں کا کام نہ پہنچے بیاں تک

ہے ظالموں کو سختی دوداں مدد کہ تیغ
کاٹے دو چند پہنچے جو سنگ فساں تک

بے ماتم اس چمن میں نہیں خندہ طرب
ہے کسوت کبود گل زعفران تک

آفتادگاں نہ لیں مدد غیر بہر اوج
سائے کو احتیاج نہیں زردباں تک

گرداب تک پہنچ کے شادور ہوئے ہیں غرق
نک وہ ادب سے آن کے سر گشتگاں تک

سیدھوں سے منحرف ہے جو اپنا ہے وہ عدو
بہکا جو راستے سے گیا رہ زناں تلک

کیا اس کی قدر ہے جو سپاہی نہ ہو نجیب
شمشیر نا اکیل کی قیمت کہاں تلک

لاف سپہ گری نہ بکے مرد راست باز
پاوے نہ راہ حرف زباں سناں تلک

پاپوں پر کسو کے نہ پیدا کریں غرور
پہنچاؤے یہ سخن کوئی گردن کشاں تلک

رکھیں وہ ایک شب تو سر شمع پر نگاہ
پہنچے ہے تا سحر دہن شمع داں تلک

بار گراں تلے ہے سبک روح روز و شب
تن کا اٹھائے پھرنا ہے موقوف جاں تلک

رہتی ہے پاک طبع بزرگوں کی زنگ سے
کیا کام تیغ کوہ کو صیقل گراں تلک

راحت کہاں انہیں ہے جنہیں شوکت و شکوہ
پھرتے ہی دیکھتا ہوں سدا آسماں تلک

گر بن کبھی ہو راسخی دنیا میں پیش رفت
وابستہ ہو نہ تیر کا چلنا کماں تلک

سختی سے گزری اہل سعادت کی یاں معاش
ہے منحصر غذائے ہما استخوان تلک

ہر چند گریہ عشق میں نقصاں چشم ہے
لیکن نہ سمجھے ناصح ناداں یہاں تلک

آتش بلند ہووے تو غیر از تلاش آب
ہووے غرض کسی کو نہ سود زیاں تلک

تنہا نہ سبز ہو یہ قصیدہ ہی جوں چمن
ایسی غزل کہوں کہ پڑھیں بلبلاں تلک



کیفیت بہار ہے گلشن میں

کیفیت بہار ہے گلشن میں یاں تک
بلبل سے لے کر کے مست ہے اب باغباں تک

صحن چمن پہ پھرتے ہیں مستی سے لوٹتے
لے کر ہوا کی موج سے آب رواں تک

نشو و نمائے سبزہ و ریحان و یاسمن
ہے طعنہ زن نمود خط گل رخاں تک

سوسن پہ اس نمک سے ہے شبنم کہ جوں عرق
آتا ہے عارض بت ہندوستان تک

ساقی اٹھا لے شیشہ و ساغر کو لا بیاض
نک اس غزل کو پڑھتے چلیں گلستاں تک



آیا نہ ایک گل کبھو

آیا نہ ایک گل کبھو اس بوستاں تک
جس کی بہار پہنچی نہ ہووے خزاں تک

وہ مرغ مانواں ہوں کہ صحن چمن سے میں
بے زردباں پہنچ نہ سکوں آشاں تک

کیفیت اپنی سے میں لگوں ہوں بتاں کے منہ
ورنہ نہ پہنچے ساغر بے مے زباں تک

روشن ہو اک چراغ سے جوں نخل شمع داں
پہنچا ہے داغ دل کا ہر اک استخواں تک

میٹھا لگے ہے دل کو مرے زہر دشمنی
پہنچے ہے شہد دوستی جب امتحاں تک

مشکل بہت ہے امر قناعت جہاں کے بیچ
لے کر زمیں سے چرخ کے باشندگاں تک

ہم نے زیادہ تا شب ہفتم سے ماہ کو
قانع نہ رہتے دیکھا کبھو نیم ناں تلک

تھا مجھ کو رات کنج قناعت میں فکر شعر
ناگہ طمع کو حرص نے جنبش دی یاں تلک

گزرا وہیں یہ دل میں کہ اس فن کی راہ سے
جا پہنچوں میں اگر کسی نواب و خاں تلک

تو چند بیت مدح میں اس کے قصیدہ طور
ایسی ہی کہہ کے لاؤں قلم کی زباں تلک

تا ہو یقین کہ صفحہ دنیا سے اس کا نام
اٹھے کسو ہی طرح نہ دور جہاں تلک

چھوڑے کچھ اس کئے نہ اس ابیات کا صلہ
لے کھود کر زمیں کو گنج نہاں تلک

القصہ گزرے تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیر عقل نے آ اس مکاں تلک

ایسا ہی ایک مارا طمانچہ کہ تا ہنوز
پہنچے ہے رنگ چہرہ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سودا ہزار حیف
اخاذ میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک

یہ قصد ہو ترا کہ میں لے کر بیاض ہاتھ
پہنچا کروں گا ہر در و ہر دارباں تلک

بہر فلاح دامن ہمت نہ چھوڑیے
تنگی سے گر ہو چاک گریباں جاں تلک

عزت کی گر ہو گوشہ دامن پہ نیم ناں
دستار خوان گو نہ بچھے یا سے واں تلک

روزی کو مضطرب نہ ہو نک آئینے کو دیکھ
ناں آبرو سے پہنچے ہے روشن دلاں تلک

پس فرض کیا کیا ہے کہ اشعار رتبہ دار
لے جا کے تو پڑھا کرے ان ناکساں تلک

جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لاویں زباں تلک

نزدیک جن کے ہے وہ بڑا صاحب کمال
منصب کا جس کے رتبہ ہو فیل و نشان تلک

گر بو علی سلام کرے آن کر انہیں
سینے ہی پر پڑے ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک

چاہیں کہ ہم کلام ہوں اس سے تو یہ کہیں
پہنچے ہے تیرا سلسلہ جس خاندان تلک

آدم تک ان کے پاس غرض آدمی نہیں
پہنچاؤے تا نسب کو نہ شائستہ خاں تلک

سودا تو ان کی مدح کرے گا کہ جز دروغ
اک حرف راست دل سے نہ آوے زباں تلک

حیراں ہوں میں کہ مثل نکلیں بہر نام غیر
اپنا تو روسیہ کرے گا کہاں تلک

رکھے قلم کو مدح میں ایسوں کے سرنگوں
سجدہ کریں ہیں جن کو زمین و زماں تلک

کرتے ہیں جن کے امر سے عالم میں زندگی
لے کر کے جن و انس سے کرو بیاں تلک

گر ہو نہ ان کے پرتوہ حفظ کے تلے
پہنچے نہ خضر زندگی جاوداں تلک

روضے میں جن کے حلقہ چشم ملک سوا
پہنچا نہ پائے شمع کبھو داں تلک

خاک مزار ان کی سدا جبر تو تیا
پہنچے ہے روم و شام سے لے اصفہاں تلک

لیکن انہوں کے دیدہ اعدا کے واسطے
آتش سوا نہ میل گئی سرمہ داں تلک

ہنگام طوف بس کہ ملائک تمینا
لیتے ہیں خاک ان کے اس آستان تلک

خادم کہیں ہیں واں کے منہ آپس میں دیکھ کر
پہنچے ہے کوئی دن کو زمیں آساں تلک

ازبس اب ان کے عدل سے معمور ہے جہاں
پہنچنا ہے کار خلق اس امن و اماں تلک

بچے جو گو سفند کا گم ہو تو گرگ و شیر
پہنچاویں تا نہ ڈھونڈ کے اس کو شباں تلک

دہشت سے اس خیال کے زہرہ ہو ان کا آب
پہنچیں نہ ہم مباد کسی کے گماں تلک

رہنے کو جگ میں صورت افسوس کے تئیں
احکام خرمی نے کیا منع یاں تلک

اگشت چوٹے کے تئیں طفل شیر خوار
ممکن نہیں کہ لا سکے اپنے دہاں تلک

جب سے ہوئی ہے گلشن دنیا میں یہ بہار
کچھ کام بلبلوں کو نہیں ہے فغاں تلک

گل چیں کی کیا مجال جو توڑے چمن میں پھول
صورت سے گل کے لرزے ہے باد خزاں تلک

ان کے نہیں ہے عہد مبارک میں یہ مجال
پہنچے کسی کا زور کسی ناتواں تلک

بہہ جائے ایک خس کبھو ریلے سے موج کے
زنجیر سے بندھا پھرے آب رواں تلک

قوت سے ان کے عدل اب زیر آسماں
ناطقتی ہے آفت ارضی کو یاں تلک

مار سیہ سے لیتے ہیں وہ کام ان دنوں
وابستہ جانتے ہیں جسے ریسماں تلک



کب ان کے اہلقلوں کی ثنا

کب ان کے اہلقلوں کی ثنا مجھ سے ہو سکے
میں کیا کہوں کہ جلدی ہے ان میں کہاں تلک

باندھیں انہوں کے پاؤں سے گر مہر و ماہ کو
تو روز و شب کے پھرنے میں سرعت ہو یاں تلک

پھر نوبت شمار مہ و سال زیر چرخ
آوے نہ ان کو ہیں یہ منجم جہاں تلک

ہیبت کا ان کی تیغ کے میں کیا کروں بیاں
کاٹا ہے کوہ کفر کو اب جن نے یاں تلک

ہذیان خواب میں جو پڑے پوتھی برہمن
کلمہ جگا کے اس کو پڑھاویں بتاں تلک

پس جو کوئی کہ ایسے ہوں ان کا حضور چھوڑ
ہذیان بکنے جائے تو نواب و خاں تلک

جس وقت یہ سخن دہن پر عقل سے
پہنچا گھر کی طرح مرے گوش جاں تلک

آیا یہ دل میں جاؤں میں کیا لے کے بہر نذر
کب دست رس مجھے ہے کسی ارمغاں تلک

ناگہ انہی کے ذرہ خورشید فضل نے
پہنچا دیا یہ مطلع انور زباں تلک



itsurdu.blogspot.com

موقوف تھا ظہور خدا

موقوف تھا ظہور خدا تم پہ یاں تلک
جوں بن حروف معنی نہ آویں بیاں تلک

جا گہ جو نقش کن کے لئے حق نے دی تمہیں
رخصت خیال عرش نے پائی نہ واں تلک

جس جا کہ مرغ قدر تمہارا ہے بال زن
جبریل کا نہ وہم گیا اس مکاں تلک

محراب نقش پا کی تمہارے ہے جس جگہ
وہ سرزمین پہنچتی ہے اس عزو شاں تلک

سجدہ گر اس طرف کرے ابلیس ایک بار
بخشش کو پھر نہ کام رہے این و آں تلک

بے مرضی شریف قضا گر کرے کچھ امر
جاری کسو طرح نہ ہو اس کی زباں تلک

ذره ہو گر رسائی کے مانع تمہارا امر
پہنچے نہ نور مہر کبھو خاک داں تلک

ہے جس قدر شکوہ تری بارگاہ کا
اس کا بیان ہو سکے مجھ سے کہاں تلک

انجم نگرگ وار زمیں پر ٹپک پڑیں
صدہ نک اس سے پہنچے اگر آسماں تلک

لکھے ثنائے جود تمہاری تو جز گہر
نقطہ نہ پاوے راہ قلم کی زباں تلک

اس کی غرض ستائش ہمت نہ ہو سکے
جس کے گدا کا رتبہ بخشش ہو یاں تلک

تپ لرزہ بیچ مہر کو رکھتا ہے یہ خیال
قوت ہو جس کے بازو ہمت میں یاں تلک

پل مارتے میں چاہے تو ذرے کو بخش دے
ایسے کا ہاتھ پہنچے کبھو آسماں تلک

پس جس کے تم سے آقا ہوں وہ بہر احتیاج
جاوے کہو تو کس در و کس دریاں تلک

یا کاظمین چرخ ستم گر کے ہاتھ سے
پہنچی ہے کارد آکے مرے استخوان تلک

سد رقت مجھے ہو تمہاری جناب سے
محتاج تا نہ جاؤں کساں ناکساں تلک

اس چرخ دوں پرست تلے بہر مشیت جو
مانند آسیا کے پھروں اب کہاں تلک

لیکن جو یہ قصیدہ کوہ دوپیکر اب
چاہے صلے میں ہند سے لے کر اصفہاں تلک

ہرگز نہ لینے دوں اسے جز ایک مشیت خاک
سودا کو دو بلا کے گر اس آستان تلک

تا ہے فراخ دامن چرخ منحصر
جوں مہر اوج دست رہے دوستان تلک

تا شکل کھکشاں رہے اثر سے مشتبہ
پہنچا کرے گزندِ حسد دشمنانِ تلک
◆◆◆

itsurdu.blogspot.com

در منتقبت حضرت علی موسیٰ رضا

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانے کو لے کر گھر نہ ہو پیدا

نہیں میں طالب رزق آسمان سے کہ مجھے
یقین ہے کاسہ وارڑوں میں کچھ نہیں ہوتا

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بخت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کی تہی دستی سے نقص جوہر کا

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

جو ناتواں نہ کریں دست گیری دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلے کو کبھو برپا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما

نہ ہو سکیں مرے انجھواں کے سد رہ مڑگاں
پکڑ نہ رکھ سکے خاشاک دامن دریا

ہوا ہوں بزم جہاں میں ہلاک غیرت شمع
کہ زیر تیغ سر عجز ان نے خم نہ کیا

کلوئی جو کرے دنیا میں ہووے وہ پامال
بسان جادہ کسو کو تو راہ مت بتلا

بنے گی زینت دنیا سے نحس شکل تری
لباس زر کا پہر کر نہ ہو تو بوم طلا

کشدہ تر ہے مرض سے مجھے عیادت غیر
بھلی ہے ان سے تو بالیں پہ صورت دیا

خفا کرے ہے دل اپنا میں بیٹھنا مل کر
ولے میں کیا کروں ہے تنگ عرصہ دنیا

جہاں کے باغ میں جوں شاخ پر ثمر میں نے
کسی کی دوستی سے نفع جز ضرر نہ لیا

کیا عزیز بہت جن نے دیکھ کر مجھ کو
اٹھا کے تیغ ستم کے تلے انہی نے دیا

چنوں میں کب بر امید نخل دہر تلے
کیا نہ خوش مری ہمت نے قد کو خم کرنا

جفاے دہر کرے گنگ دل کو نازک دل
بنے ہے شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

مرے سخن کی مرے بعد زیادہ ہووے قدر
گہر یتیم جو ہووے تو ہو فزود بہا

نہیں ہے کام مجھے شعر و شاعری سے ولے
خرد نے مجھ کو نصائح سے بارہا یہ کہا

زباں پہ لا سخن خوب کو نہ رکھ دل میں
کہ اس گہر کی نہیں قدر جو صدف میں رہا

بہ رنگ عکس سبک بار بحر دنیا میں
تو رہ کہ موج حوادث نہ دیوے تجھ کو بہا

کسی کی دل شکنی سے جو خوش کریں دل کو
وہ کون قوم ہیں کیسے ہیں کیا ہیں مجھ کو بتا

یقین تو جان گیا ٹوٹ دل مرا دوہیں
جو خار چہرے کے مرے پاؤں میں اگر ٹوٹا

مگر شکست وہی اس فقیر کو بھاوے
قدح طمع کا اگر توڑے سنگ استغنا

ضرر کی اپنے مکافات نفع گردوں سے
طلب نہ کر کہ نہ ہو ایک بام پر دو ہوا

چمن میں دہر کے خوش ہو کے جو ہنسا دوہیں
بہ رنگ گل اسے گردوں نے شادی مرگ کیا

رکھی فلک نے مرے سر پر منت دستار
جو زخم سنگ بلا کے سبب میں سر باندھنا

غرض میں دیکھ کے یہ نگ چشی گردوں
شب گزشتہ اسی فکر بیچ مرتا تھا

کدھر کو جاؤں میں تا دل مرا کرے داشت
وہیں خیال میں قدی کا یہ سخن گزرا

دے بہ بزم حریفان شگفتہ شو چو قدح
کہ جاں برائے تو دارد آستیں مینا

یہ سن کے مژدہ جاں بخش مے کدے کی طرف
چلا میں گھر سے نہٹ خوش ہو یہ غزل پڑھتا



نہ سنگ پا ہے یہ دل

نہ سنگ پا ہے یہ دل اے خدا نہ ہے یہ حنا
بتاں کریں ہیں اے پامال کیوں اتنا

نکست وعدہ ساقی سے دل ہے اتنا چور
کہ جائے اشک نکلتے ہیں ریزہ مینا

جو درد دل کے مزے سے ہو آشنا بے درد
عجب کہ ہر بن مو پر کرے نہ دل پیدا

بجائے سرمہ کروں میل گرم میں اس میں
نمک سے اشک کے جس چشم نے مزا نہ چکھا

گرہ میں غنچہ نمط زر کرے دنی گو جمع
ولے سخی ہی اڑاویں گے اس کو مثل صبا

کرے نہ چاک گریبان صبح پنچہ مہر
جو شور عشق نہ ہووے بہ عالم بالا

تصور اب کسی زلفوں کا اشک و چشم مرے
عجب ہے لطف کہ جوں موج و کشتی و دریا

یہ دل زمانے سے ہے سخت تنگ حیراں ہوں
کہ مہر سنگ دلاں کیونکہ یاں گئی ہے سا

گداز عشق ہوں اتنا کہ چند قطرہ اشک
نمط ہے شمع کے ہر بند استخوان میرا

غرض کہ مے کدہ اس شغف ساتھ آیا میں
بتاں کی چشم میں جوں آئے نشہ صہبا

ولے نگاہ جو کرتا ہوں مے کدے کی طرف
گئے حواس مرے مجھ سے دیکھتا ہوں کیا

کہ مست چاک گریبان و جام چشم پر آب
ہے آہ و نالے میں نے گریہ در گلو مینا

یہ حال دیکھ کے واں کا خرد سے پوچھا میں
جگہ طرب کی میں آیا ہوں یا کہ جائے عزا

دیا جواب خرد نے مجھے کہ اے ناداں
خوشی ہے دہر میں یہ غم سے پوچھتا ہے کیا

نہیں ہے امن کہیں زیر آسماں ہرگز
بجز زمین خراساں کہ ہے وہ عرش آسا

زہے زمین کہ شاداب اس قدر جس میں
ہمیشہ سبز ہے کشت امید شاہ و گدا

شرف یہ کیوں نہ دے اس سرزمین کو رب کریم
تو غور کر کہ قدم درمیان ہے کس کا

رضائے جس کی وہی ہے جو کچھ رضائے حق
رضائے حق بھی وہی ہے جو کچھ کہ اس کی رضا

جدی ہو موج تو پانی سے جوہر آئینے سے
اگر مخالف معمول ہووے حکم اس کا

عجب نہ کر تو اسے وہ طبیب سر و علن
کرے ہے جب مرض الموت کی کسی کے دوا

شفا کو برطرف اس طرح سے کرے نہ اجل
اجل کو برطرف اس طرح سے کرے ہے شفا

جو طشت شمع نہ ہو ان کے روضے میں جا کر
تو آفتاب نہ ہر شب نظر سے گم ہوتا

زہے وہ گنبد زریں کہ جس کا ہے یہ شکوہ
فلک نے دیکھ جسے دل میں پیچ کھا کے کہا

کہ کہنہ جان کے مجھ کو جناب اقدس نے
بنا کیا ہے سر نو سے آسمان طلا

شعاع نور سے خورشید جس کے قے کی
پلک جھپکنے سے اک ذرہ بھی نہیں رہتا

زبس کیا ہے مرصع اسے جواہر سے
تہی ہے لعل سے معدن گہر سے ہے دریا

اگر نہ ہوویں یہ کم یاب کے مصرف سے
نہ پاوے لعل یہ قیمت نہ در کی ہو یہ بہا

جبین آئینہ مہر و مہ نہ ہو روشن
غبار در سے یہ اس کے اگر نہ پائیں جلا

ہر ایک حلقہ زنجیر سقف میں اس کے
عجب ہی لطف سے ہر قمتے کو نصب کیا

بیاں میں کیا کروں اس لطف کے تئیں جیسے
پھنسا ہو دل سر زلف بتاں میں عاشق کا

بسان دیدہ پر آب عاشقاں جاری
ہے اس کے صحن میں اک حوض فخر کوثر کا

دکھاؤں کس کو میں اس گنبد طلا کا عکس
کہ جس طریق ہے پانی میں اس کے جلوہ نما

ہوا ہے دل کو یقین یہ کہ حوض کوثر میں
کرے ہے آن کے گردوں سے آفتاب شنا

زہے وہ حوض کہ ثبوت سے جس کے چشمہ خضر
ہمیشہ پردہ ظلمات میں رہے ہے چھپا

دلا طویل نہ کر مدح غائبانہ کو
نیاز لے کے یہ مطلع حضور میں تو آ

مطلع دیگر

شنا کروں تری ہر وجہ میں قلم آسا
جو سر کئے تو گریباں سے کر زباں پیدا

نہ ہو شنا میں جو تیری زمیں کے آسودی
تو سبزہ شکل زباں ہو نہ خاک سے اگتا

کہاں زباں کو ہے طاقاں اگر بیاں کیجئے
ترے دیار کی چیونٹی کی حد استغنا

وہ اپنے مردک چشم کے برابر کب
خیال ملک سلیمان کو کرے شاہا

جو کچھ لکھا نہ ہو تقدیر میں اگر اس کے
جو کوئی در پہ ترے آ کے مانگتا ہے دعا

نہ دل سے حرف زباں تک پہنچنے پاتا ہے
کہ ہو چکے ہے وہ مطلب قبول یا مولا

تجھ ابر فیض سے قطرہ اگر زمیں پہ گرے
بجائے دانہ زراعت سے ہوں گہر پیدا

گدائے در کا ترے نقش پا ہے جس جا گہ
کرے ہے اوج سعادت کو واں سے قرض ہما

چراغ راہ خضر میں اگرچہ یا شہ دیں
نہ ہووے نور کبھی تیرے شمع بینش کا

کہاں سے چشمہ حیواں چہ جا کے خضر اس طرح
شراب عمر ابد پی کے زندگی پاتا

شرار آب میں رہتے ہیں گوہر آتش میں
زبس کہ امن ترے عدل نے جہاں میں کیا

گئی بنائے تعدی جہان سے اتنی
بتاں کے ناز و ادا میں رہا نہ ظلم و جفا

سوائے عشق ترے عہد میں تعدی سے
کٹا وہ ہاتھ کسی جیب تک اگر پہنچا

شہا! سحر کا گریبان چاک کرتے وقت
اسی ہی خوف سے کانپے ہے دست مہر سدا

محافظت ہے تری جس جگہ ضعیفوں پر
ہٹے ہے دیکھ کے خاشاک اس جگہ دریا

زبس کہ عہد میں ترے ہے رسم داد ری
جس کی بھی کوئی فریاد سن نہیں سکتا

بہشت ہے ترے بتان مہر کا اک گل
ستر شرار ہے تیرے غضب کی آتش کا

سموم قہر تری بر و بحر پر جو چلے
پگھل کے آب ہوں کہسار خشک ہوں دریا

زبس کہ خوف ہے اسباب منع کے دل میں
شہا! زمانے میں تیرے غضب کی صولت کا

شراب پنہ مینا سے چاہتی ہے نمک
صدائے رفتہ سے کہتی ہے کہ آ چھپ جا

تری کمان کے آگے حریف روز نبرد
کہاں سے لائے یہ طاقت کہ ہو سکے سیدھا

کہ جس کے تیر کی ہیبت سے آسماں نے کھو
بغیر خم کیے پشت اپنی سر اٹھا نہ چلا

گر آسماں کو اٹھا کر سپر کرے منہ پر
ترے عدو میں یہ قوت ہے ہم نے فرض کیا

جو روز رزم مقابل تری کمان کے ہو
صفائے شت ترا اس کو دیجئے دکھلا

کہ جس صفا سے نگہ پار نکلے شیشے کے
اسی صفا سے نکل جائے تیر بھی تیرا

شہا عجب ہے وہ شمشیر جس کی صولت سے
ترے عدو کو ہزیمت سے شوق ہے اتنا

گر اس کے بعد نکالے مصور اس کی شبیہ
تو روح اس کی پکارے کہ پہلے پاؤں بنا

ترے سمند کا میداں میں نقش پا جو پڑے
کرے وہ خون میں اعدا کے روز رزم ثنا

شرار قطرہ خوں ہو ٹپک پڑیں دوہیں
ملے جو کوہ کو گر پنچہ غضب تیرا

مال عرض مرا حال ہے نہ تیرج مدح
زباں جو ہر بن مو ہو تو ہووے وہ نہ ادا

نہیں ہوں گر کسی لائق ولے ہے شرم تجھے
کہ دو جہان میں حامی رکھوں ہوں میں تجھ سا

کیا ہے دہر نے عرصے کو مجھ پہ اتنا تنگ
کہ جاں بہ لب ہوں ولے جی نہیں نکل سکتا

نہ اتنی کی رگ و پے نے کسو کے تن میں جگہ
جو گھر کرے ہے مرے تن کے بیچ تیر بلا

بہ رنگ رخنہ دیوار چشم ہیں منہ پر
غبار غم مرے چہرے پہ اس قدر بیٹھا

یہ عرض حال ہے سودا کا جو سنا تو نے
تری رضا جو کچھ آگے ہو یا امام رضا



itsurdu.blogspot.com

درمدح حضرت علی موسیٰ رضا

مستغنی ذاتی نہ مہوس کے ہوں تنخیر
معدن ہے جہاں سونے کا واں خاک ہے اکیر

لب ریز ہے کیسہ در مکنون سے جن کا
کب شبہ فروشوں کو حضور ان کے ہے توقیر

ہے لعل سے نسبت نگہ چشم کو جن کے
جاتی ہے دو پلکے پہ نظر ان کی بہ تحقیر

ہیں وہ در یکتا بہ جہاں جن کی زباں کی
لڑتی ہے سدا ابر گہر بار سے تقریر

یوں صفحے پہ بولے ہے صریر ان کی قلم کی
تعلیم ہے منشی فلک کو مری تحریر

ہوتا جو سخن فہم تو بہزاد سمجھتا
پرداز کو معنی کے جو کھینچیں ہیں وہ تصویر

تیر ان کے کرے فکر رسا کا اسے غربال
مضمون جو چھپے کوہ میں ہو صورت ٹنخیر

معنی کے جو ہو نام سے مشہور موکل
اس کو بھی نہ چھوڑیں وہ کبھو بن کے تسخیر

ان سا نہ ہو کوئی کبھو آفاق کے اندر
تا فیض سخن اس کی نہ طینت میں ہو تسخیر

روکش ہوں وہ ایسوں کے جنہیں حق نے دیا فہم
نادانی سے کب کرتے ہیں اپنے تئیں تشہیر

یہ بات جدی ہے کہ وہ مہر آپ کو سمجھے
دم کرک شب تاب کی چمکے جو شب تیر

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھٹی سی چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھ سا کلاں گیر

یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لا کر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسکیر

صاحب ہیں کئی اس طبقے کے شعرا میں
ہم بزمِ سخن داں کو نہ ان سے کرے تقدیر

مصرع میں اگر پشہ معنی ہو قلم بند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر

نقارے کا مضمون بہ درستی جو یہ باندھیں
کوس لمن الملک کے ٹھونکیں ہیں بم و زیر

سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۃ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر

کرتے ہیں مجالس میں پھر اس کو بہ بدی یاد
سامع کرے تحسین میں ذرہ بھی جو تاخیر

اس خط کے عہدے سے ولے وہ نہ بر آویں
جو ملک سخن کے ہیں مہنوں میں مشاہیر

استاد کی ان کے ہے انہوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر

اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجہ و ناخن نہ لکھو دودھ کو تم شیر

جب تک کہ نہ منظوم ہو پانگ و ترازو
باندھو نہ کبھو شعر میں تم لفظ ”شکم سیر“

تم شعر و سخن اپنے کی بندش میں کماں بن
بولو نگہ یار کو یارو نہ کبھو تیر

چہرے کو نہ معشوق کے دو شمع سے تشبیہ
تا زلفوں کو باندھو نہ کسو شکل سے گل گیر

مضمون جو قد و زلف کا معشوق کے باندھو
لکھو الف و لام کے سپارے کی تفسیر

ملفوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اس کی ہو تذکیر

استاد کی اس پسند پہ کی اور ترقی
شیوہ وہ لیا، غیر کی جس میں کہ ہو تحقیر

مضمون جو ہو ریختہ کا تازہ کسی کے
کرتے ہیں اسے فارسی میں باندھ کے تشہیر

پھر کہتے ہیں یوں ہے کسی استاد کا یہ شعر
سرقہ یہ کیا جن نے بڑا ہے کوئی بے پیر

اور ان کا کوئی فضل و کمال آ کے جو دیکھے
ہیں طرفہ وہ معجون جو ہو خبط سے تخمیر

سرقے کو نہ سمجھیں نہ تو توارد کو گر ان سے
پوچھے جو کوئی کیا ہیں یہ دونوں کرو تقریر

پھر بعد تامل بہ جواب اس کے یہ ذی ہوش
رو بہ کہیں سرقے کو توارد کو کہیں شیر

محسود نشانہ ہیں حخیل میں انہوں کے
ہووے نہ کمان حسد ان کے سے جدا تیر

اتنا یہ سمجھتے نہیں ناداں کہ جہاں میں
حاصل نہیں ہوتی ہے کچھ ان باتوں سے توقیر

سر رشتہ ہے عزت کا فقط ہاتھ خدا کے
افزائش قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر

قطرہ وہی پانی کا ہے قسمت کی ہے تفریق
ہو ایک نگرگ ایک گہر ہو کے گرہ گیر

ان کا ہو اگر بو علی سینا بھی معلم
تعلیم کرے کس روش اس کی انہیں تاثیر

نسبت سے فلزات کے مس ہووے ہے سونا
پتھر کی جو ہو جنس تو واں کیا کرے اکیر

ہے جنیت استادی و شاگردی میں لازم
یہ ہو نہ تو دونوں میں کسو کی نہیں تقصیر

بلبل کو جو بھر عمر سنے پر روش اس کے
ہرگز نہ کرے زمزمہ کستوری کشمیر

صحت سے نہ ہو فائدہ ناجنس کو ہرگز
یہ بات ہے بر صفحہ دل قابل تحریر

شمشیر میں کیسی ہی اصالت ہو یقیں جان
پیدا نہ غلاف اس کا کرے جوہر شمشیر

شیریں نہ کبھو دے وہ شمر باغ جہاں میں
حفظ کرے جو نشوونما پہلوئے انجیر

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
ناہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر

کر اس کے عوض مدح شہ ہر دو جہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہو تحریر

وہ شاہ خراساں نگہ فیض سے جس کے
ہوتے ہوئے اکسیر نہ مائی کو لگے دیر

جس کے در مسجد کا معمار ازل نے
پارس عوض سنگ کیا مصرف تعمیر

مانگا کرے ہے ہاتھ کو پھیلا کے فلک پر
مہر اس کے سدا قبہ درگاہ سے تنویر

کیا تاب جو صیاد اجل منہ کرے اس سمت
لے جائے پنہ اس کے اگر سائے میں ٹنچیر

سجدے کو دو عالم کے وہ محراب ہے اس کی
زار کا جہاں نقش قدم ہووے زمیں گیر

مومن یہ تصور نہ ہو جو مقتدی اس کا
مقبول نہ اس کی ہو صلوٰۃ اور نہ تکبیر

عدل اس کے سے لرزے ہے خس و خار سے شعلہ
عہد اس کے میں سم رکھے ہے تریاق کی تاثیر

جس دشت میں باجے دہل چم بزا اک بار
ہیبت سے ادھر ان کے ڈھوکے نہ کبھو شیر

مفقود عداوت یہ عدالت سے ہوئی ہے
ضدین کو ہے ربط بہم جوں شکر و شیر

شاہ! تو وہ ہے عالم و آگاہ کہ جس کی
تدبیر کے ایما سے نہ باہر ہوئی تدبیر

جس جا ترے ایما سے خداوند جہاں نے
بخشی ہے اگر ایک گنہگار کی تقصیر

وہ جا ہے بلا شبہ و شک عفو گہ اس کی
جو خلق ہے نزدیک خدا واجب تعزیر

وہ جزو کہ کہتے ہیں جسے لا یتجزئ
تو اور خدا ہے جو نہ مانوں تو ہے تکفیر



itsurdu.blogspot.com

راندہ جو ہودرگاہ کا تیرے

راندہ جو ہر درگاہ کا تیرے تو وہ یاں تک
آنکھوں میں خلاق کے نظر بہ تحقیر

سائے تلک اس کے نہ کرے ہم رہی اس کی
ہم رہ اس لیے میں کرے کیسی ہی تدبیر

اشج تو نہیں آپ ہی پستین سے تیرے
ہوتے ہی سب آئے ہیں شجاعت میں مشاہیر

اثبات ہوا جو ہر فرد اس سے بہ تقسیم
سیف دو زباں ہے جو ترے جد کی وہ شمشیر

دو گلڑے پلک مارتے ہووے کمر کوہ
تجھ تیغ غضب کے جو ہو سائے کے سرا زیر

جوں مردک چشم میں چیونٹی کے پڑے گل
چھیدے ہے ترا نقطہ موہوم کو یوں تیر

تو بار نہ علم اپنے کا گر آپ اٹھاوے
ہو چرخ کے جھولے میں زمیں خاک کا اک ڈھیر

خوبی کا تو مذکور ترے رخس کا یک سو
کیا منہ جو کروں گرد سم اس کے سے میں تقریر

وہ گرد ہے آنکھوں کے مجبوں کے تو سرمہ
ہو جس کو محبت نہ تری اس کے گلوگیر

شاہا وہ تری ذات منزہ ہے کہ گویا
مخصوص تری شان میں ہے آیہ تطہیر

شہباز ترے رتبے کا مارے ہے جہاں پر
ادھام ملائک کو ہے واں حکم عصفیر

جس قصر میں شوکت ہے تری پہنچے تو پہنچے
باصد تک و دو عرش کا وہم اس کے سرا زیر

تیرا ہے جو کچھ مرتبہ سو عقل کل اس کے
ہر مو ہو زبان تن پہ تو کب کر سکے تقریر

جو کچھ یہ لکھا میں نہ سمجھ اپنی اسے مدح
کیا میں ہوں مری کیا ہے قلم کیا مری تحریر

تجھ سے کی کرے مدح جو مجھ سے کوئی ناداں
ہوتا ہے وہ نزدیک خدا واجب تعزیر

کرتا ہوں سخن کو میں دعائے پہ اب ختم
امید کرم سے ہے کہ ہو عفو یہ تقصیر

یارب جو ترے دوست ہیں از قلم امید
ہوتے ہوئے پار ان کی نہ کشتی کو لگے دیر

اور اس میں جو بدخواہ ترا ہونے لگے غرق
موج اس کو نکلنے نہ دے ہو پاؤں میں زنجیر



در منقبت حضرت حسن عسکری

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
مان اے آئینے بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی کیا ترقی کر سکے
چاہے دریا ہو یہ کب آب گہر میں ڈھنگ ہے

غش بہم پہنچا نہ محروم تجلی دل کو رکھ
صیقل اس آئینے کی گرد نکلت رنگ ہے

مرد وہ اپنی ہنر پوشی سے جو مارے ہے دم
فی الحقیقت تیغ کو جوہر سے بہتر زنگ ہے

اپنے بھی مرہون احساں ہوں نہ عالی ہمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاج سنگ ہے

نک پرے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد
خاکساری کو ہماری سرکشی سے ننگ ہے

ابرواں نے کھینچی ہے شمشیرِ مرگاں نے چھری
حسن کی خوبی میں تیری تجھ پہ باہم جنگ ہے

آہ کس منہ سے کہوں تجھ کو کہ ٹک ایدھر کو دیکھ
شکل سے میری سدا بیزار میں میرا رنگ ہے

محو حیرت کے تئیں ہے دوست اور دشمن سے کیا
آئینہ تصویر کا دور از غبار و سنگ ہے

صبح دم سودا چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شور جنوں سے تنگ ہے

پائے گلبن بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے



سمع کا میرے صدائے خندہ

سمع کا میرے صدائے خندہ گل نگ ہے
نگ پرے جا بول بلب؛ گو تو سیر آہنگ ہے

ہو سکیں نازک دلاں کب رو کش حرف درشت
عکس بال طوطی اپنے آئینے پر سنگ ہے

یاں سموم عشق سے کس کو ہے جوش کا دماغ
شعلہ آتش مرے کانٹے پہ لگی کا رنگ ہے

گرد ہوں میں تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ ہوں تو صفا میری ہی مجھ پر رنگ ہے

نگ پرے گلشن سے میرے شور کو ابر بہار ہے
یاں صدائے رعد آواز شکست رنگ ہے

اس میں جرات سے میں اس کا قطع کر طرز کلام
یہ کہا چرخ منقش کیا زمرہ رنگ ہے

گوشہ خاطر سے کرتا ہے عوض اس قصر کو
سر اٹھا دیکھا نہ نک اتنا ہی بولا ”نگ ہے“

ناگہ اس اثنا میں اک منعم نے آ اس سے کہا
”بندہ خانہ کیا تمہیں تشریف لانا نگ ہے؟“

ہر مکاں میں مند و ہر ایک جا فرش سمور
ہر طرف مطرب پڑ ہر سو رباب و چنگ ہے

نوش کرنے کو کباب اور پینے کی خاطر شراب
دیکھنے کو رقص محبوبان خوش آہنگ ہے“

یہ کہا سن کر جو ترغیب آپ کرتے ہیں مجھے
اس کو باور کیجئے گا یہ خیال بنگ ہے

ناز پروردہ جو استغنا کے ہیں ان کے تئیں
اک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ ہے

دیکھنا راہ اجل ان کو تماشا رقص کا
درد دل سنتا کسی کا ان کو عود و چنگ ہے

غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا ہے کباب
نت انہیں خون جگر پینا مئے گل رنگ ہے

خاک در ایسے کے ہیں وہ تیری یہ مسد سو کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا نگ ہے

قبلہ دنیا و دیں یعنی امام عسکری
جس کی میزان عدالت اتنی بے پائنگ ہے

ایک پلے میں ہو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے ہم سنگ ہے

پشت خار آہوئے صحرا ہے پنچہ شیر کا
باز کا چڑیا کی خاطر آشیانہ چنگ ہے

ہے حباب اور اب شرر میں ربط فانوس و چراغ
گلشن انصاف پر اس کے یہ آب و رنگ ہے

روئے کار حشر سے پردے کا اٹھنا ہے محال
پردہ پوشی پر جو اسکے حلم کا آہنگ ہے

ہے سموم قہر کا جس بر و بحر اوپر خیال
خشک واں دریا پانی کوہ سے تا سنگ ہے

نہی سے تجھ امر کے اب یا امام المتقین
بسکہ منہیات پر عرصہ جہاں میں نگ ہے

چشم خواب میں شراب آتی ہے لینے کو پناہ
گل رھاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ ہے

مطرب اپنی آخرت کر یاں نالاں ہے سدا
روز و شب ہر ایک ڈھولک کے نہیں سرچنگ ہے

استخوان و پوست سے کھینچے ہی رکھا ہے رباب
زیر چوب و سنگ نت اٹھ روسیہ مردنگ ہے

میں گداؤں کی ترے در کے کہوں ہمت سو کیا
اس کی یہ ہے گفتگو جو ان میں لُج و لنگ ہے

کہہ سلیمان سے نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیش ارباب ہم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ قلن
کچھ سوا گل اشرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

منہ پہ تیغ برق دم الماس پیکر کے ترے
اک قدم آنا عدو کو راہ سو فرنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ قلن
خود و قاش زیں دو حصے تا بہ حد ننگ ہے

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کئے
بلکہ یہ تعریف تو اس کی برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤں سے ماہی تک
امتحان گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے ہیں تعلیم واں ہر روز آ کر گرد باد
جس جگہ سرگرم کاوے پر ترا شب رنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ
عارض خواباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے

جھانکے ہے ہفت آسماں کو جلدی اس کی ہر قدم
بسکہ عرصہ شش جہت کا اس کے رو پر نگ ہے

بکھرا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت
ٹکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا رنگ ہے

اس میں ٹک بھی گرم ہو آیا تو بس پھر اڑ گیا
ہے تو گھوڑا ہی یہ کچھ سیماب کا سا ڈھنگ ہے

ہمت پرواز تیرے باز کی میں کیا کہوں
اس سے گر سیرغ بندھ اترے تو اس کا نگ ہے

طرہ محبوب میں ہو جس طرح عاشق کا دل
مرغ دور از وہم یوں اس کے بیان چنگ ہے

کر قصیدے کے تئیں سودا دعائے پہ ختم
قافیے کو وسعت اب آگے نہایت نگ ہے

مانگ لے جو مانگتا ہے تو اس کا کہ یاں
نے خراج روم مالیت نہ باج زنگ ہے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا
 ہو نہ جب تک گلشن دنیا پہ آب و رنگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
 پر شرر جس وقت تک دامن کوہ و سنگ ہے



itsurdu.blogspot.com

در منقبت حضرت مہدی الہادی

جوں غنچہ آسماں نے مجھے بہر عرض حال
دی سو زباں دہن میں؛ ولیکن سبھی ہیں لال

ہرگز کسی گرہ کے لیے جز خراش دل
مارا نہ آسماں نے کبھو ناخن ہلال

اجرائے کار بند ہے عالم کا اس کے ہاتھ
جز چشم عاشقاں کہ ہیں جاری یہ اتصال

روشن ہے شمع کشتہ کے پھر کر جلانے سے
یعنی کہ بعد مرگ بھی آرام ہے محال

روشن طبیعتوں سے برا ہے وہ تیرہ عقل
کرتا ہے نور مہر کو سائے کے پائمال

رکھتا ہے پر غرور کو جوں نیزہ سربلند
جوں جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال

یک تن نوالہ خوار نہ ہو اس سے تا ابد
روز ازل سے ہے یہ گلوں کا سہ سفا

ہر روز نعمتوں سے کرے سفلے کو غنی
محتاج نان شب ہو سدا صاحب کمال

پارے کو دے ہے رتبہ اکیر بعد مرگ
دولت کبھی کسی کو نہ دی ان نے بے زوال

گر پائے سوختن نہ رہے ان کے درمیاں
ہرگز کرے نہ شمع سے پروانے کا وصال

سو پردے میں رکھے بوئے گل کو یہ بے تمیز
پھاڑے نقاب روئے حیا کی یہ بد خصال

ڈھانپے ہے جا نماز تلے زاہدوں کا عیب
دیتا ہے راز عشق کو پردے سے یہ نکال

ہم پر سدا رکھے مئے گل رنگ کو حرام
خون بہار تیغ خزاں پر کرے حلال

ہر روز اٹھ کے غنچہ گل کو کرے ہے تنگ
ہر شب رکھے ہے خاطر بلبل کو پر ملال

بوجھ اس کے ہاتھ سے دل ہر دشت خار زار
کر لخت لخت ہی جگر کوہ کو خیال

اے دل! عرض کسی کو نہ دے چین آسماں
شکوہ نہ کر تو اس سے کہ ناحق ہے یہ جدال

حاصل نہ ہو سوائے مشقت کے اور کچھ
آہن کو سرد کوئیے گر ہمارا ہزار سال

ہم پست فطرتوں پہ چلی کب نہ تیغ چرخ
دوڑے ادھر ہی آب زمیں پر جدھر ہو ڈھال

گر ہو شعور اس سے نہ چاہیں کشاد کار
اس مطلع دویم کو پڑھیں جس کے حسب حال

گردوں سے کار بستہ کھلے کیونکہ ہے محال
ہرگز نہیں ہے عقدہ کشا ناخن ہلال

پس کیا ضرور تھا جو کیا شکوہ سپہر
اے دل تو ہرزہ گوئی سے اپنی زباں سنبھال

خواہش ہے دو جہاں کی اگر تو زباں سے تو
جز مدح شاہ سر و عین مت سخن نکال

مہدی ہادی وہ کہ گر اس کا نہ ہووے حفظ
مرکز کو خاک کے تو قوی ہے یہ احتمال

گھل جائے سب زمیں کرۂ آب میں ابھی
لے شرق تا بہ غرب جنوب اور تا شمال

جس کے قدم سے گلشن دنیا نے یہ شرف
پایا کہ وہ سا نہ سکے عرش کے خیال

شبم نہیں ہے چہرہ گل پڑ ہر ایک رات
گرتا ہے عرش سے عرق شرم و انفعال

یمن قدم سے اس کے جہاں میں خوشی کے ہاتھ

زائل ہوئی ہے اس قدر اب صورت ملال

ممکن نہیں کہ رات کو شاخ درخت پر
رکھتا ہو مرغ سر کے تئیں اپنے زیر بال

اس کا قدم نہ ہووے جہاں کے جو درمیاں
کب چار غصروں میں رہے حد اعتدال

اس خاک داں پہ ہو نہ اگر اس کا بار علم
اہل جہاں کے آئے سر اوپر عجب وبال

ہووے زمین زیر و زبر آسمان کے ساتھ
مانند ریگ شیشہ ساعت بہ اتصال

کھینچے خدا نہ کردہ طرف آسمان کے سر
اس کا اگرچہ اک شرر آتش جلال

کر دے فتیلہ کاہ کشاں کا وہ مشتعل
گردوں کف ہوا میں سے اڑ جائے شکل رال

ہم نسبتی سے سے کے جو انگور کی طرف
گر تک وہ اعتراض کرے ہے یہ احتمال

اک آن بیچ خوشہ پروں کے واسطے
تاک فلک پہ آئے خدا جانے کیا زوال

جس دن سے اس کے عہد نے جگ کو دیا شرف
تب سے شراب پر ہے خموں بیچ یہ وبال

اس آب کی غلط کی جو کائی کے ہو تلے
دہشت سے زیر درد چھپا جائے ہے زلال

بعد از بہار روئے خزاں پر طمانچہ زن
گلشن میں اس کے عدل سے ہے برگ ہر نہال

کر اس کو تو یقین کہ درند و گزند کے
یہ خوف اس کے عدل نے دل میں دیا ہے ڈال

آہو کی دشت میں جو سنی ہے صدائے یا
چھپنے کو بہر ڈھونڈتے ہیں خانہ شغال

اثر ہوئے ہیں سہم کے یاں تک ضعیف و خشک
کرتے ہیں ان سے منہ میں سدا مورچے خلال

جو کچھ لکھوں میں اس کی سخاوت میں ہے بجا
یہ مطلع حضور مری بات پر ہے دال

چاہے اگر کوئی وہ جہاں کا متاع و مال
تیرے گدائے در سے کرے آ کے وہ سوال

برے ترا جو ابر کرامت زمین پر
پیدا بجائے دانہ گھر ہوں ہر ایک سال

مرضی میں گر چلے نہ ترے ایک دم سپر
دست قضا بٹھا دے اسے دے کے گوشمال

جوں موم تفتہ آن میں ہو جائے مضحل
گر تجھ فشار پنچہ سے آگاہ ہوں جبال

شمشیر گر علم ہو تری جن و انس کا

ہیبت سے آب ہو جگر و زہرہ و طحال

ہر پر غرور کے رگ گردن میں خوف سے
ہو جائے خشک خوں رگ یاقوت کی مثال

مارے اگر تو بر کمر آساں اسے
گاؤ زمیں کے تن سے نہ لاگا رہے دوال

شاہا جو تیرے نقشِ خنجر سے ایک دم
دشمن کے دل میں سہو سے گزرے اگر خیال

ہے کیا عجب کہ خوف سے ہر عضو کی رگیں
جا مغز استخوان میں چھپیں شمع کی مثال

تیرے سمد کی میں ستائش نہ کر سکوں
تعریف نقشِ سم کی ہے اس کے بہت محال

آئینہ سپہر میں پڑتا ہے جس کا عکس
نادان جانتے ہیں کہ نکلا ہے یہ ہلال

سرعت میں اس کے ساتھ بہ دعوائے ہمسری
لاگے جو دوڑنے نگہ دیدہ غزال

جب تک وہ مردک سے نہ پہنچے مژہ کے پاس
پہنچے وہ اس جگہ کہ نہ پہنچے جہاں خیال

یک پایہ اس کو تخت سلیمان سے کم نہ جان
ہووے جو تو سوار عدو کے پے قتال

سب جن و انس و دیو و پری اور وحش و طیر
حاضر نہ ہوں رکاب سعادت میں کیا مجال

شاہا ترا بیان شجاعت میں کیا کروں
ہیہات اس زباں کے تئیں کب ہے یہ مجال

دعوائے بندگی ہو جسے اس جناب میں
اس کے تئیں ہے فن شجاعت میں یہ کمال

مستک میں فیل مست کے مارے اگر وہ تیر
گردن کے استخوان میں کبھو بند ہووے بھال

سوفار اس طرح سے نمودار ہو رہے
جوں اژدھا پہاڑ سے جھانکے ہے سر نکال

پس جس کے ہر غلام میں قدرت ہو اس قدر
خالق چھٹ اس کی مدح ہے مخلوق کو محال

تیری ثنا و مدح کوئی مجھ سے ہو سکے
ہے کیا لب و دہن مجھے کیا فضل و کیا کمال

دریائے طمع سے یہ کئی گوہر سخن
تیرے ثار کے لیے پہنچے مجھے رسال

اے شاہ دیں پناہ شتابی سے کر ظہور
تا دوست تیرے شاد ہوں دشمن ہوں پائمال

اکثر جو اختلاف ہیں دین نبی کے بیچ
اس محلے کا تجھ پہ ہے موقوف انفصال

سودا کو آرزو ہے کہ جب تو کرے ظہور

اس کی بھی مشت خاک ہو تیرے صفِ نعال

تیرے ہر ایک دوست کا 'مانند صبحِ عید
صفحے میں روزگار کے روشن رہے جمال

جوں شامِ سلخِ ماہِ محرم تمام عمر
ظلمت ہی میں بسر کریں اعدائے بدِ خصال



itsurdu.blogspot.com

در منقبت حضرت مہدی الہادی

و در تعریض بہ یکے از معاصرین

منکر خلا سے کیوں نہ حکیموں کی ہو زباں
جب شہرے سے مرے ہو ملا اس قدر جہاں

ممکن نہیں کہ اب سخن غیر کو ملے
راہ اس قدر جو پہنچے وہ تا گوش سامعاں

نام آوری کے واسطے حاسد نہ کر تلاش
جاگہ کسی کے نام کو اس عہد میں کہاں

گو یاں کہے تو ریختہ ایراں میں فارسی
چاہے جگہ جو شہرے کو سو تو نہ یاں نہ واں

عالم کی النہ پہ مرا اس قدر ہے شعر
گویا ورق بیاض کا ہر منہ میں ہے زباں

میں نے سنا کہ تجھ کو مرے ایک شعر پر
دزدی کا اپنے معنی کے ہے وہم مہرباں

شاید بہ اتفاق توارد ہو پر مجھے
لفظوں کا اپنے غم کہ ہوئے کس پہ رائیگاں

گو زشت کو پنھاؤ کسی رنگ کا لباس
خوبوں میں اس کو جا نہیں جز پہلوئے بداں

ازراہ دوستی میں کہوں تجھ سے ایک بات
طبع شریف پر جو نہ آوے ترے گراں

زنہار ہمسری کا مری تو نہ کر خیال
ہو گا غریب مضحکہ نزدیک شاعراں

ایسی نہیں بندھی ہے سخن کی مرے ہوا
کھلنے کا جس کے زیر فلک دل کو ہو گماں

اس کو یقین تو جان کہ حیراں ہے اب تلک
عیسیٰ پئے معالجہ نفخ آساں

منشی نہ فلک مری تحریر دیکھ کر
سمجھے بغیر گر غلطی کا کرے گماں

پاؤں مری قلم سے وہ فی الفور یہ جواب
چپ رہ کہ دوں تجھے غلطی سے تری نشان

حک کردہ سطر ہے وہ ترے ہاتھ کی لکھی
کہتے ہیں جس کا اہل زمین نام کھکشاں

دفتر سے فن شعر کے تجھ کو ہے کیا خبر
تو جلد آسماں کا محرر حساب داں

روشن جہاں ہے نظم طبعی کی میرے شمع
پروانہ واں ہے طائر روح سخن وراں

مضمون تازہ یوں چمن فکر سے مجھے
پہنچاؤں ہے ہمیشہ طبیعت کا باغباں

جوں گل سر بہار کوئی جا کے سوئے باغ
لاتا ہے بہر گوشہ دستار دوستاں

رگینی سخن ہے مری اس قدر کہ گل
عاشق ہے میرے نظم بیاں کا بہ گلستاں

موج نسیم گل کے جو زنجیر پا نہ ہو
شوق سخن مرا اسے لاوے کشاں کشاں

سعدی کی روح پاک کی خاطر ہے سیرگاہ
دیواں کا ہر ورق یہ مرے بہ ز بوستاں

ہر سطر اس کی معنی رگیں سے شاخ گل
سمجھا کرے ہے بلبلی طبع سخن وراں

نام اپنے سے کوئی جو مرے شعر کو پڑھے
بولے فصاحت ”اس کا نہیں یہ لب و دہاں“

اس کا یہ شعر ہے کہ قلم جس کی روز و شب
ایسے جناب کی ہے ثنا میں گھر فشاں

جس کو جناب حق سے یہ نسبت کہ جس طرح
نظم سخن میں لفظ و معانی ہیں تواماں

حاضر حرم میں دل کے وہ مانند ذات حق
غائب ز چشم خلق ولے ہے جہاں تہاں

مطلع لکھ اور اے قلم اب لائق حضور
تا دو جہاں صلہ دے مجھے شاہ خسرواں

مطلع دوم

اے وہ کہ کار جن و بشر تجھ سے ہے رواں
تیری وہ ذات جس سے دو عالم ہے کامراں

تجھ خاک پا سے فیض جو اکیر کو نہ ہو
مس کو طلا نہ کر سکیں اس سے مہوساں

شاہا علو مرتبہ تیرا جو کچھ کہ ہے
جز عالم الغیوب بشر پر ہے وہ نہاں

اپنی نگاہ چشم کو قاصد جو کر کے وہم
بھجوائے طول راہ کے کرنے کو امتحاں

پائے نگہ میں اول منزل ہو آبلہ
پہنچے نہ واں تلمک ہے تری منزلت جہاں

قرباں میں خاندان کے ترے شاہ دیں پناہ
جس عزت و شرف سے کہ تیرا ہے خاندان

جبریل کی جگہ وہ نہیں جس مقام میں
پشتین سے دیا ہے تجھے حق نے عز و شاں

جو امر کارخانہ ایزد میں ہو ترا
کیا تاب عقل کل کرے کچھ اس میں این و آں

ناقوں کے واسطے ہو جس مرسلوں کا دل
نکلے جو تجھ قدم کی زیارت کو کارواں

اس مرتبے کا سرمہ ہے اس کارواں کی گرد
جس کے لیے ہو چشم ملائک کی سرمہ داں

پہنچے فلک کو موج گہر ابر فیض سے
تیرے گرے جو قطرے بہ دریائے بے کراں

ہیبت سے تیرے عدل کئے شاہا بہ زیر چرخ
خلقت کو اب زمانہ ہے اس امن کا مکاں

آتا ہے جس گھڑی کہ تمازت پہ آفتاب
بال عقاب ہے سر کنجشک سائباں

نشو و نما بہ کوہ کرے جس طرح سے کاہ
سرکوب یوں قوی پہ جہاں میں ہے ناتواں

آتش کو آب سے یہ ترے عہد میں ہے قدر
جوں لعل آب داری سے قیمت میں ہو گراں

سوزن ہو چاک دامن شعلہ کے واسطے
وہ خار جس کو حفظ ترا ہو نگاہاں

اس دہر پر سب کے خلاق میں گر ترا
ہوئے نہ بار حلم تو اے شاہ انس و جاں

دل پر مرے یقیں ہے کہ بحر محیط کا
لطمہ الٹ دے موج کا کشتی خاکداں

خوگر تو خلق و حلم و حیا سے اگر نہ ہو
اور ہو تری نگاہ بر اعمال عاصیاں

تجھ آتش غضب کے شرارے کے سامنے
باروت کا ہے تودہ زمین اور آسمان

کھینچا قضا نے تمہ سنگ فساں کہ جب
شمشیر تیری چرخ چڑھی بہر دشمنان

اس کی برش کرے ملک الموت جب خیال
بے اختیار ہو کے پکارے کہ الامان

شمشیر تو یہ کچھ ہے کہ جس کو کیا میں عرض
گل گوں ترا سو ہے بہ جمال پری وشاں

رکھتا ہے یہ قدم کہ نہ پہنچے دکاب تک
باد بہار بوسے کو تا آمد خزاں

بطلاں تبھی ہو آگے سے حق کے فنا کہ جب
وہ تیغ ہو یہ اسپ ہو اور تجھ سا ہو جواں

چن چن کے سنگ ریزے تری جلوہ گاہ سے
طار ہیں جتنے سدرہ نشیں عرش آشیاں

واں کر کے فرش آنکھوں کو اپنی وہ منتظر
تیرے قدم کے رہتے ہیں یا صاحب الزماں

سودا بجز دعا کے تری کیا ثنا کرے
الکن ہے اس مقام میں جبریل کی زباں

یا رب ترا ظہور شابی ہو تا بہ دہر
روشن ترے جمال سے ہو چشم مومناں



itsurdu.blogspot.com

در مدح بسنت خان خواجہ سرا محمد شاہی

کل حرص نام شغے سودا پہ مہریاں ہو
بولا ”نصیب تیرے سب دولت جہاں ہو

گر اشرفی روپے کی خواہش ہو تیرے دل میں
ظاہر ترے پہ ہر جا گنجینہ نہاں ہو

لعل و گہر کی ہووے تجھ کو اگر تمنا
مصرف کے بیچ تیرے اشیائے بحر و کاں ہو

عمدہ تو اس قدر ہو سرکار بیچ تیری
مور و ملخ سے زیادہ خیل ملازماں ہو

جاہ و جلال یاں تک دیوے تجھے زمانہ
جب ہو تری سواری صد فیل پر نشاں ہو

گر ملک چاہتا ہے تو تخت بیچ تیرے
ہندوستان سے لے کر اور تا بہ اصفہاں ہو

آگے تو کیا کہوں میں دل چاہتا ہے تیرے
قبضے میں لے زمیں سے اور تا بہ آسماں ہو

سن کر یہ حرف سودا بولا کہ قدر و رتبہ
کب اثرنی روپے کو نزدیک علاقوں ہو

یہ تو برے ہیں اتنے آفاق میں کہ جن کو
کیسے سے دور کیجے کام اپنا تب رواں ہو

لعل و گہر جو پوچھ پتھر ہیں اور پانی
رتبہ نہ ان کو پیش ارباب ہمتاں ہو

عمدہ تو وہ کوئی ہے نزدیک فہم جس کے
اہل کمال آگے دنیا میں عز و شاں ہو

نام نگو سے بہتر دنیا میں کیا نشاں ہے
وہ بھی کوئی نشاں ہے جو فیل پر رواں ہو

ملکوں کی سرزمین سے حاصل یہی ہو آخر
دو مشت خاک جس میں اک مشت استخوان ہو

ارض و سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے
بے دعویٰ خدائی کیونکر مجھے گماں ہو

جو کچھ کہا ہے تو نے یہ تجھ کو سب مبارک
میں اور میرے سر پر میرا بسنت خاں ہو

دیکھے سے جس کا جلوہ پاکیزہ طینتوں کی
آنکھوں کو امن ہووے جی کے تئیں اماں ہو

جو مرتبہ جہاں میں ہے بے نیاز یوں کا
سمجھے ہے وہ جو کوئی اس کا مزاج داں ہو

یہ وضع لا ابالی رکھتا ہے وہ کہ جس کا
اشعار میں غزل کے ممکن نہیں بیاں ہو

مطلع ثانی

بلبل کو گاہ سن کر انعام بوستاں ہو
پھولوں کی بو سے گاہے گلشن میں سرگراں ہو

لاکھوں دے جس جگہ وہ گرگ کو خریدے
بکتا ہو اک نگہ پر یوسف تو واں گراں ہو

جس قدر و مرتبے میں ہے بے دماغی اس کی
پردا و اعتنا کی قدرت کہاں کہ واں ہو

رخصت نہ دیوے خاطر یاں گوشہ نگہ کو
عالم کا گلو کہ اس میں برباد خانماں ہو

گر معدلت پہ آوے وہ گلشن جہاں میں
آنکھوں میں باغباں کے بلبل کا آشاں ہو

مشت حباب جو سے مرغ ہوا نہ چھوٹے
شبنم کے دانوں میں سے دانے کا گر زیاں ہو

جب ناتواں کی اس کو منظور پرورش ہو
مور اس کے سائے نیچے آوے تو پہلواں ہو

خورشید اس کی خو کا ذرہ جو ہو معاتب
ہیبت سے دن بہ دن وہ جوں بدر ناتواں ہو

میدیاں میں جب کھڑا ہو استاد سے وہ اپنے
حلقہ بہ گوش اس کے ہر چند واں کماں ہو

بندہ ہوں لیک اس کے میں تیر کی وفا کا
بیٹھے ہے خاک و خوں میں اس سے جدا جہاں ہو

جوہر تو کیا بتاؤں شمشیر کا میں اس کے
جس کی برش اسی سے دانا کو امتحاں ہو

کرتا ہوں ذکر جس سے اس کا وہ یوں کہے ہے
چپ رہ کسی کے جی کو یوں ہی کہیں اماں ہو

سن کر وہ شخص بولا ہم بھی ملیں گے اس سے
یا سود دل ہو اس میں یا جان کا زیاں ہو

یہ حرف اس کے منہ سے نکلا تو سن کے سودا
کہنے لگا غلط ہے اے یار یہ کہاں ہو

گہ دل میں گاہ جی میں گہ چشم میں بے ہے
ملنا ہو تب معین اس کا اگر مکاں ہو

ہووے بھی گر معین اس کا مکاں تو کس کے
واں چھوٹنے کا ناداں دل کے تئیں گماں ہو

مجلس کے داب سے یہ واں دور ہے کہ وارد
پروانہ بے اجازت نزدیک شمع داں ہو

طاقت ہے یہ کہ باہم حضار ہوں مخاطب
ہر اک کے گو دہن میں جوں غنچہ صد زباں ہو

ایسا ہوں ایک میں ہی جا کر حضور اس کے
مطلع اگر پڑھوں یہ دل اس کا شادماں ہو

مطلع دیگر

صحن چمن میں گلگوں گر تیرے زیر راں ہو
ہر گل پیادہ ہو کر واں طرقتوا کناں ہو

نک چھیڑے روش پر اس کو تو آب جو تک
جس جس طرف وہ پلٹے اس اس طرف رواں ہو

انداز چھیڑنے کا یہ کچھ ہے جو کہا میں
نک وہم ڈانٹنے کا دل کے جو درمیاں ہو

اس سرعتوں سے تڑپے تنگی سے اس کے اوپر
عرصہ یہ شش جہت کا دام کبوتران ہو

کہتا ہے وہ جو دیکھے اس پر سوار تجھ کو
یارب ہمیشہ جگ میں یہ اسپ و یہ جواں ہو

شان و شکوہ تیرے ہاتھی کے کیا کہوں میں
چرخ بجا ہے اس کی گر چرخ آسماں ہو

ہے سر بلند اتنا یہ بھی عجب نہیں ہے
آئیں پہ ماہ نو کے گر دست پیل باں ہو

مستک پہ رنگ اس کے جس طرح جلوہ گر ہے
گو سانجھ لاکھ پھولے یہ لطف پر کہاں ہو

دانتوں کے بیچ اس کے ہے جس قدر بھونڈا
وصف ضخامت اس کا کیجے تو کیا بیاں ہو

اس دانت سے تو ہم اس دانت تک جو گزرے
پہنچے نہ ایک دن میں تا شب نہ درمیاں ہو

ابر یہ ٹپکتا آوے ہے جس طرح سے
مستی میں حسن اس کے چلنے کا یوں عیاں ہو

اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہے کہ اس کے
زنجیر پا بجا ہے گر زلف مہ و شاں ہو

پائل فچھول سائر کیا کہوں میں خوبی
اصلا کہیں جو اس میں شوقی ہو یا نکاں ہو

گباگ تک مہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہے
عاشق کی وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو

ہاتھی میں یہ چلاوا کب ہے سوائے اس کے
تشبیہ یاب جس سے رفتار خوش قداں ہو

رکھے خدا جہاں میں اس کو بہت و گر نہ
تشبیہ یہ مسلم کب نزد شاعراں ہو

جس وقت تھان پر سے کھولے اسے مہاوت
ہمت سے تیری اس کو خطرہ یہ اس زماں ہو

دیویں گے بخش مجھ کو ناحق کہیں صلے میں
یارب! حضور جاؤں تو واں نہ مدح خواں ہو

اور دیکھئے تو سچ ہے خطرہ یہ اس کے دل کا
کس طرح سے کہو تو اس کو نہ یہ گماں ہو

ادنیٰ جو مرتبہ ہے ہمت تری کا اس کو
پہنچے نہ وہم حاتم جب تک نہ نزدیاں ہو

آب ہم سے تیرے گر بخش گہر پر
اک قطرہ جوش مارے تو بحر بے کراں ہو

خورشید دست سائل ہو جائے آسماں پر
تیرا علو ہمت جس وقت زر فشاں ہو

لیکن نہ سمجھو یہ اس گفتگو سے ہرگز
منظور مجھ کو تیری ہمت کا امتحاں ہو

کس واسطے کہ مجھ کو اتنا ہی چاہیے ہے
جامہ ہو ایک تن پڑ کھانے کو نیم ناں ہو

سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفران نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو

اتنی ہی آرزو ہے کچھ عمر ہو جو باقی
مصرف جہاں میں اس کا تیرے قدم کے یاں ہو

کب جا سکے ہے کوئی دروازے تیرے آ کر
بیٹھے جو تیرے در پر وہ سنگ آستان ہو

تا مہر و مہ فلک پر یارب رہے درخشاں
یہ آستان دولت مسجود دو جہاں ہو



در مدح بسنت خاں خواجہ سرا محمد شاہی

تا شیر گردش آج کواکب کی صبح کو
کہتی تھی دو جہان کی خوبی کے رو بہ رو

دل چاہتا ہے یوں کہ بنا کیجے ایک باغ
وہ گل زمین زیر فلک کر کے جستجو

فیض دم مسج کا جس کی ہوا ہو فخر
آب اس جگہ کا آب خضر کی ہو آبرو

لاوے نہ اس زمیں کے درختوں کی ایک شاخ
غیر از بر امید خلاق شمر کبھو

ہووے ازل سے تا بہ ابد ہر چمن کے بیچ
سربزواں کی خاک سے صد تخم آرزو

مانا فراغ خاطر آسودہ سے ہو گل
جمعیت دلی سے پڑے غنچہ ہو بہ ہو

پینائی و مشام کو عیسیٰ کی تقویت
دیوے ہمیشہ واں کے گلستاں کا رنگ و بو

مرغ اس چمن کے بیچ ہوں ایسے غزل سرا
مطلع یہ جن کے حق میں سخن کی ہو آبرو

مطلع ثانی

بلبل ہو واں کی بلبل آمل سے دو بہ دو
طوطی کرے ہمیشہ فصیحی سے گفتگو

یوں منعکس صفائے عمارت میں ہو چمن
جو ایک رو مکاں ہو سو معلوم ہو دو رو

آئینہ خانہ اس میں ہو ایسا کہ ایک بیت
موزوں نہ اس صفا سے گلستاں میں ہو کبھو

ایسا ہو سطح کرسی پہ اس گھر کے ایک حوض
کوثر ہو آبِ شرم سے واں جس کے رو بہ رو

چادر تلے ہو آب کے یوں سنگ آبشار

چیں بر جیں نقاب تلے جوں رخ نکو

پاکیزگی سے جاری ہو ایسی ہی ایک نہر
خوبی کا جس کے ذکر نہ کر سکئے بے وضو

جوچی کو ہر چمن کے رواں یوں ہو آس کا آب
جوں روح دوڑتی ہو رگ جاں کی سمت کو

کنکر ہر ایک جو میں جھکولوں سے آب کے
شفاف یاں تلک رہیں کھا کھا کے شت شو

جلوہ انہوں میں ہو جو رگ گل کے عکس کا
آوے نظر وہ جوں رگ یاقوت ہو بہ ہو

یوں جلوہ گر ہو سرو کا سایہ کہ جس طرح
کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنار جو

موسم چہار فصل کا اتنا بھرا رکھے
کیفیت بہار سے زگس کے غنچے کو

یوں ہی کٹوری اس میں کہ جوں مغ کے ہاتھ سے

مستی میں چھٹ کے جا رہے ساغر تہ سبو

پی پی شراب سرخ جوانان سبز فام
واں موسم بہار میں آویں جو سیر کو

باہم گلے میں ڈال کے بانہیں بہ رنگ تاک
مستی میں وہ چلیں کج و وا کج ہر ایک سو

القصہ سن کے خوبی نے تاثیر سے کہا
”جو مدعا ہو باغ سے کر اس کی گفتگو“

بولی کہ مدعا تو یہی ہے کہ تا ابد
اس میں بسنت خان بہادر ہو اور تو

اس سے کدے میں فیض سے جس کے شکستہ حال
غیر از خمار و توبہ نہ دیکھا کوئی کبھو

مطلب کو اس طرح سے وہ پہنچے ہے خلق کے
تاثیر جوں دوا کی پہنچتی ہے درد کو

کیسے سے گر نکالے تھا حاتم گھر تو کیا

عالم کے دل کی اس سے نکلتی ہے آرزو

دل مدح غائبانہ سے کیونکر کھلے میرا
تا اس غزل کو پڑھئے نہ جا اس کے رو بہ رو



itsurdu.blogspot.com

طرے کی ترے نکہت سنبل

طرے کی ترے نکہت سنبل میں دے کے بو
بھیجے تھی ہم کو باد شمالی کبھو کبھو

پانی بہت چمن میں ولے اپنی تشنگی
چاہے کہ آب رفتہ ہی آوے بہ سوئے جو

اپنا جنوں نہ باد بہاری سے ہو برآر
ہم آتشیں مزاج وہ بسیار تند خو

جس دشت میں ہے ان دنوں سودا کی بود و باش
دیکھا جو میں تو ہے وہ عجب ایک مقام ہو

اور اس جگہ وہ یوں نظر آیا کہ کیا کہوں
نے طاقت شنود ہی نے تاب گفتگو

گزرا ہے سر سے پاؤں کا اس کے ہر ایک خار
اور پاؤں سے گزر گیا سر کا ہر ایک مو

ہم صحتبان بزم سے اس کا اگر کوئی
واں جا کے پوچھتا ہے کہو اس کے حال کو

مانند شیشہ مئے گل گوں دہن کو کھول
چاہے کہ کچھ کہے تو ہلوکے ہے وہ لوہ

احوال تو یہ کچھ ہے جو میں نے کیا بیاں
اس میں حواں اس کو جو آ جائے ہیں کہو

اڑتا ہے جو پکھیر تو کہتا ہے اس سے یہ
جاوے بسنت خان بہادر کنے جو تو

بعد از سلام شوق یہ کہو ہمارے دوست
کائے بوستاں دل کی تمنا کے رنگ و بو

پر تو نہیں کہ پہنچے وہ پاؤں ہیں مگر
گوڑے رگڑنے کی ہے سدا جن کو آرزو

جب سے ترے قدم سے جدا ہو کے رہ گئے
نے دیں کی ہے تلاش نہ دنیا کی جستجو

مانند برگ خشک کہ ہو نخل سے جدا
کرتے پھریں ہیں دشت میں نالے ہر ایک سو

اب آرزو یہی ہے کہ آوے جو باد تند
جوں شعلہ آگ اپنے تئیں دے ز پشت و رو

اے دل تو بعد ختم غزل کر حضور میں
پاکیزگی سے اس کی طبیعت کی گفتگو

ابر بہار باغ کو تا دے نہ شت و شو
مقبول تجھ مشام کے ہووے نہ گل کی بو

پاکیزہ طینت اس قدر انساں نہ ہووے خلق
دھو دھو کریں خمیر جو آدم کی خاک کو

شب رنگ کی ترے کوئی اب کیا ثنا کرے
جس کا چراغ خانہ زیں تا ابد ہو تو

اس بادپا کے وصف میں مطلع پڑھیں ہم ایک
گر سرسری نہ سمجھے ہماری تو گفتگو

مطلع دیگر

شرمندہ ہو جمال سے حور اس کے رو بہ رو
جلدی میں وہ طبیعت محبوب تندخو

جوہر میں تیری تنخ کے کیا کیا بیاں کروں
کہتے ہیں جس کو ہے وہ تہور کی آبرو

اکثر ہوا ہے یوں سر اعدا کو کاٹ کر
میدان کار زار سے تہیں لے گیا ہے گو

القصہ جس کسی کا سر عافیت کھجائے
آوے ہے روز رزم وہی اس کے رو بہ رو

دریا دل اس قدر ہے کہ جگ میں تمام خلق
بحر سخا کی سمجھے ہے تجھ کو ہی آبرو

حرف سوال پہنچنے پاوے نہ لب تلک
موج گہر پہنچتی ہے سائل کے تا گلو

یاں شعر و شاعری سے ادا ہو نہ حق مدح

تن پر اگر زباں ہو بجائے ہر ایک مو

اس نظم سے غرض نہیں مدح و ثنا ہمیں
ہے تیرے ذکر خیر سے اپنی زباں کو خو

سودا کرے ہے ختم دعائیے پر سخن
لا لائق تری ثنا کے نہیں ہے یہ گفتگو

تا زیر آسماں ہر زمانے میں شام و صبح
اپنی ہے یہ جناب الہی سے آرزو

روشن ہو تیرے دوست کا ہر شب چراغ عیش
بد خواہ کے نصیب نہ ہو روز خوش کبھو



درمدح سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر

برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صف لشکر بہار

کہتے ہیں یوں زبانی پیک صبا یہ حکم
پہنچا حضور سے طرف باغ روزگار

مرکب حو شاخسار کے ہیں ان پہ اب شتاب
پہنچیں سوار ہو کے جوانان برگ و بار

ہیں بخشی و وزیر جو مرغ و ماہتاب
ان کو یہ امر ہے کہ امیران نام دار

منہ کھول دو خزان گل اشرفی کے تم
پکڑو قلم کو ہاتھ رکھو پیادہ و سوار

چہرے لکھا کے سرخ گہداشت اب کرو
تعداد پوچھتے ہو تو بے حد و بے شمار

کر دو یہ حکم پیر فلک کو کہ اے دبیر
ہووے محروں کا تغافل اگر شعار

اہل قلم جو دفتر بخشی گری کے ہیں
ان سے کہیں برائے تقید یہ بار بار

گل گون لالہ گر کہیں بے داغ رہ گیا
چیریں گے پیٹ ہر مصدی کا غنچہ وار

لینا ہے کام مجھ کو جوانان باغ سے
بھر بھر سپر گلوں کے تئیں دو زر عیار

ابلاغ خانساں کو ہووے اس امر کا
تا یہ کہے بلا کے وہ اپنے بھی پیش کار

معمول سے زیادہ مقید ہوں اب کے سال
جس طرح چاہے کریں اس فوج کا سنگھار

پس اہل کار لالہ خود رو سے یہ کہیں
رنگیں شاب مستک پیلان کو ہسار

دگلے ہزار رنگ کے پہناویں ابر کو
موج ہوا تلک ہو زرہ پوش اب کی بار

تقسیم کر دیں فرقہ غنچے میں چلہیں
دیں دوپٹے گر رسالہ گل ہو امیدوار

کہہ دیں کہ چار نہر سے گلشن کے صحن باغ
چار آئینے کو سج کے رہے مستعد کار

دارو و گولی پیر مغاں مے کدے کے بیچ
رکھے نہ اب سوائے کمر کیسہ زیہار

بندوقیں بدلے شیشوں کے بھر بھر کے مچھے
آ کر شاب صحن چمن میں کریں گزار

جتنے ہیں نے نواز جہاں بیچ اب کریں
پیشہ وہ کرنا کے بجائے کا اختیار

باور اگر نہیں تو اسی آن دیکھ لو
پایا ہے امر مطلع نیر نے اشتہار

مطلع ثانی

ترکش لگا کے دینے کو تصحیح بہار
گل گوں پہ اپنے ترک ہزارا ہوا سوار

لازم ہے تجھ کو پی کے شراب طرب کا جام
گر مرد ہے تو سیر گلستاں کر اب کی بار

یک گل زمیں نہیں کہ جہاں آب پیرے
کرتا نہ ہووے کھینچ کے شمشیر آب دار

غصے سے یک دگر کٹے مرنے ہیں یہ کہ موج
گرداب ڈھال روکے ہے مارے ہے جب کنار

بن خود ایک دم نہیں رہتا سر حباب
ڈالے رہے ہے منہ پہ جھلم سنگ آبشار

اندام جو بہار پہ اب عکس تاک سے
بکتر سچی ہی دیکھوں ہوں کیا لیل و کیا نہار

جاتا ہے نیستاں کی جو روئیدگی یہ وہم
ہوتا ہے اس یقین کا دل میں وہیں گزار

نکلیں ہیں باندھ باندھ کر ہو کے مستعد
لے کے کر پھر ہرے بانوں کے سر پر سے بان دار

رنجک ہی بہر مشق اڑایا کرے ہے برق
گولے ہی ڈھالتا ہے سحاب نگرگ بار

آواز توپ و رینگہ رعد روز و شب
کرتی ہے نہ پہر سے جا اس طرف گزار

گر پارچہ بھی ابر سیہ کا ہوا میں ہے
گجنال کی طرح سے چنگھاڑے ہے بار بار

تھا جس قدر کہ سبزہ خوابیدہ یہ صدا
سن کر زمیں سے چونک اٹھا ہو کے بے قرار

آسودگان خواب عدم بھی ہیں عنقریب
اٹھ کر کے خاک داں سے کریں حشر آشکار

کرتے ہیں طائران چمن اب یہ زمزمہ
یا رب یہ اب کے سال قیامت ہے یا بہار

طاؤس نام وہ جو ہیں اس فوج کے نقیب
کرتے ہیں یہ صدا کہ جوانان لالہ زار

باہم سے دستہ دستہ جدے ہو کھڑے رہو
جلدی سے باندھ کر کمر کینہ استوار

میدان صاف کرتی ہے جاروب باد تند
تا وقت کار دامن گل سے نہ الجھے خار

صد برگ و جعفری و گل اشرفی نے اب
کیرے بانے کر کے یہ باہم کیا قرار

سنگھ صف قشون خزاں آوے جس گھڑی
ہو کر اتارے کیجئے میاں میں کار زار

استاد ہے جہاں علف سبز خاک پر
پانی کی جس طرف کو زمیں پر چلے ہے دھار

بھالا ہے اور برچھی ہے بلہم ہے اور سیل
خنجر ہے اور تیغ ہے دشنہ ہے اور کٹار

ہر آن میں ترانہ بلبل کے واسطے
ہے ان دنوں یہ شعر تجلی کا رو بہ کار

”از سایہ ہائے بید مولہ بہر طرف
دارد زمیں کمان سیہ توز در کنار“

ترک صبا کہے ہے مرا تیر بازگشت
ہو پشت پر حریف تو نکلے جگر سے پار

خالی سمجھ کے ہاتھ کو اپنے ہر ایک دم
مانگے ہے برگ بید سے خنجر کو ہر چنار

دامن کو باندھ باندھ ہوئے سرو مستعد
قمری ہر ایک کہتی ہے یوں نعرے مار مار

ایسا نہ ہو کہ طعن کریں ہم کو بلبلیں
لڑیو قدم کو گاڑ کے یاران طرح دار

نرگس کو باوجود ہے بیماری شدید
اس پر چمن میں آن کے وہ ناتوان زار

لکارتی ہے یوں کہ دو بھیاں ہو جو کوئی
ٹالے تو بارے آن کے میرے عصا کا وار

کمر کھیہ کے ہر درخت سے یوں سنگترے کا نخل
کہتا ہے گرچہ ہاتھ میں ششپر ترے ہے یار

لیکن تو دیکھو کہ خدا وہ گھڑی کرے
کتنوں کے سر میں توڑوں ہوں پتھرے ہی مار مار

کنوے کے ہر درخت کو غصے نے ان دنوں
کچھ آگ سی لگا دی ہے کیجو تو اعتبار

دل میں غرض ہر ایک کے میں کیا بیاں کروں
پایا ہے آتش غضب و کیں نے یہ قرار

ٹکلیں بجائے دانہ شرر کچھ عجب نہیں
دیجے اگر انار کو پنچے میں لے فشار

القصہ آج پیک صبا سے میں صبح دم
پوچھا کہ سن تو کس لیے خاور کا تاج دار

قتل خزاں پہ مستعد اتنا کہ جس لیے
کی جمع فوج قاہرہ اتنی کہ بے شمار

ایسا تو اس سے آج تلک کچھ نہیں ہوا
ہاں امر سلطنت کا نرالا ہے اختیار

یہ سن کے دیکھ دیکھ مرے منہ کو یوں کہا
سنا ہے اے عزیزؑ تو کافر کہ دین دار

دین نبی میں ہے تو ابھی باندھ کر کر
گلدستے کی طرح سے تو ہو جا شریک کار

اب جرم کو خزاں کے جو پوچھو تو پیش خلق
بعد از یزید کے ہے خزاں ہی گنہگار

نک چشم منصفی سے تو اعمال اس کے دیکھ
کیسے کے ہے وہ گلشن دولت سے اب دو چار

نانا کو جس کے پوچھو تو راکب براق کا
دادا جو دیکھو مشرق و مغرب کا شہ سوار

بد خواہ دولت ایسے کا ہووے جو کوئی شخص
اس پر نہ صف کشی کرے خاور کا تاجدار

آخر وہ اس گھرانے کا بندہ ہے زر خرید
پس کیوں نہ وہ کرے جسے اتنا ہو اقتدار

ایسا یہ خاندان ہے کہ نہ پشت سے فلک
کرتا ہے جس جگہ کی غلامی کا افتخار

رکھے جہاں کے داغ غلامی جبین ماہ
ماہی کے دل میں جس کی اطاعت کا خار خار

اثبات تجھ پہ جرم نہیں اس کا آب تک
اپنی تو اعتقاد ہے اتنی گنہگار

اک بار لعن گر کرے طوطی یزید پر
بے اختیار ہو کے کرے اس پہ سو ہزار

لیکن یہ دیکھو کوئی دن میں بہ ضرب کفش
گلشن سے اس کو کھینچ نکالیں ہیں کر کے خوار

سن کر غرض یہ پیک صبا سے میں یوں کہا
”ہے کون نک بتا تو مجھے وہ بزرگ وار“

کہنے لگا کہ تجھ سے تعجب ہے یہ سخن
اتنا تو ہو کے عاقل و دانا و ہوشیار

یہ رمز اب تلک نہیں سمجھا ہزار حیف
ہے یہ وہ جس کے خوان کرم کا تو ریزہ خوار

یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس کی تیغ
کرتی رہی سدا سر اعدا پہ کار زار

جب میں سنا زبان صبا سے یہ نام پاک
ووہیں پڑھا یہ مطلع رنگین و آبدار

مطلع دیگر

دیوے نہ تیرے نام سے گلشن میں گر بہار
پھولوں کو اب و رنگ کا لینا ہو ناگوار

تیری سخا کی یاد سوا خاک پر نہال
بٹھاوے باغباں تو ثمر دے نہ شاخسار

ناخن بغیر غنچوں کی گانٹھیں نہ کھل سکیں
تیری سخا جو بادِ سحر سے نہ ہووے یار

مے خانہ جہاں میں کرم سے ترے نہیں
کوئی شکستہ حال بجز توبہ و شمار

برسا ترا سحابِ کرم یاں تیں کہ اب
ہوتا ہے رنگِ آتشِ یاقوتِ آبِ دار

جو کچھ کہا میں اس کو خوشامد نہ بوجھو
یاں ارث ہے شجاع و سخی ہونے کا شعار

دادے ترے کا دستِ کرم کیا بیاں کروں
سائل کو نان و حلوہ کے اونٹوں کی دی قطار

رکھو اب آگے مطلعِ تازہ پہ گوشِ جاں
خورشید کی ثنا کوئی سنتا ہے ذرہ وار

موجِ گہرِ سپہر سے ادھر کرے گزار
گر اپنے ابرِ فیض سے اتنا کہے ”یہ بار“

اور اس کی پوچھیے جو شجاعت یہ سن رکھو
اثر کے جڑے چیرے کہ جب تھا وہ شیر خوار

یک دم جو اس کی تیغ کی برش ز راہ سہو
دل میں اگر خیال کرے اپنے کو ہمار

اجزا جو منجھد ہیں جمادات کے یہ سب
پا جاویں جوں حواس جہاں پل میں انتشار

جس تودے پر کہ تیر قضا کارگر نہ ہو
خاک کو اپنی اس میں سے پھوڑے ہے وہ دوسار

تیرے بھی تیر و تیغ کی ہیبت ہے یاں تلک
تا وحش و طیر نے کی سلح پوشی اختیار

درج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ
ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار

ارجن کہے کہاں کو تری دیکھ بھیم سے
اپنے تیں تو کھینچنا اس کا ہے سخت کار

جس سمت رخ کریں گے تو میدان ہے وسیع
گر زندگی عزیز ہے بھیا تو کر فرار

روئیں تن اس کے آگے پس و پیش ہوں کھڑے
لے شرق تا بہ غرب اگر باندھ کر قطار

سوفار تیر بولے کہ سینے پہ اگلے کے
پیکاں کو رکھ کے جاؤں میں پچھلے کی پشت پار

دل پر مرے یقیں ہے کہ میدان میں جس گھڑی
لکارے تو یلوں کے تئیں کھینچ کر کنار

گوبر کرے اس آن میں رستم کا گاؤں سر
بیت الخلا کو یاد کرے سام بار بار

مر مٹنے کا جو بہن و برز و وفا کے روز
ہو جائیں تیرے سامنے آپس میں کر قرار

پتلا زیادہ پانی سے ہو کر تیرے حضور
ڈالے ہر ایک اپنی سپر کو حباب وار

ہو جسم سے علیحدہ پاؤں سر عدو
نیزے ترے پہ گر چمن رزم میں قرار

قمری ہر ایک بول اٹھے یوں کہ اب کے سال
لایا ہے کس کے یمن قدم سے یہ سرو بار

یوں ہر عدو کے سینے کو اس میں پروئے تو
جوں سخ میں کتاب کے تگلوں کو بادہ خوار

وصف سپر تو کیا کروں جس کا ہر ایک پھول
ہو جاوے روز رزم عدو کے گلے کا ہار

گل گوں کے تیرے وصف میں کیا کیا بیاں کروں
گرد اس کے کھینچے جب گل رنگ حنا حصار

اس حصر میں کرے ہے وہ اس طرح شوخیاں
تڑپے ہے جوں نیم چمن میں ہو بے قرار

رانوں میں یہ سبک جو پھرے سطح آب پر
ٹوٹے حباب سم تلے آ کر نہ زمینہار

مشرق کی سر زمیں سے مغرب کی سمت کو
اس برق و ش کو پھینک دے گر ہو کے تو سوار

اس عرصے میں بھر آئے کہ شاید نہ بھنے پائیں
گر پھینکتے میں نعل سے اس کے جھڑیں شرار

پر میں ہوں پیٹروں کا عدو کے ترے غلام
میدان کے روز تجھ سے جو ہو جائے وہ دو چار

ڈپٹے اسے تو اس پہ تو جاتا وہ یوں رہے
اڑ جائے باد تند کے آگے سے جوں غبار

رتے کو تیری جاہ کے میں کیا بیاں کروں
جس کے تئیں نہ وہم فلک کر سکے حصار

ہوتا نہ رنگ اطلس گردوں جو ماتمی
خیمے کے آستر کو ترے تھا یہ جامہ وار

شہتیر کھکشاں کے تئیں بھی برائے چوب
دو کرتے چیر کر تو نہ بنتی وہ استوار

تھے مہر و مہ بھی خوب ہی کچھ باد ریشے کو
پر مندرس ہیں برسوں کے اتنے کہ بے شمار

لے کر مگر خطوط شعاعی کو اس میں سے
بٹوائے طنائیں سو کتنا یہ پود و تار

سرکار عالم فلکی میں تو کچھ نہیں
میخوں کے واسطے ہے زمیں پر یہ کوہسار

قالی کا اس کے فرش کے اتنا ہے عرض و طول
صد فصل گل نہ ہو سکے جس کے نمونہ وار

جتنا ہے سطح روئے زمیں اس پہ گر اسے
جس فصل میں بچھاؤ تو ہے موسم بہار

جس آن تو قدم رکھے اس پر برائے جشن
کھل جائے دیکھتے ہی تجھے چشم روزگار

اور ہووے گا بھی یوں ہی تو خاطر کو جمع رکھ
صدقے سے پنچتن کے بہ تائید کردگار

سودا کرے ہے عرض کہ تیرے خزانے سے
بھر بھر سپر ہی لینا ہے مجھ کو زر عیار

بالفعل اس قصیدے کا مانگے ہے یہ صلہ
اس کے تئیں خطاب دے ”رزمیہ بہار“

کیسے میں دوستوں کے ترے شکل ماہ و مہر
ہو سیم و زر ہر آن میں کیا لیل و کیا نہار

ہاتھی کے ساتھ ساتھ یہ کہتا چلے عدو
مفلس ہوں کچھ دلا مجھے نواب نام دار



درمدح سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر

ہفتپوش کا ہو دل تو رہے دہر سے بتنگ
باور نہیں تو دیکھ کہ نالاں سدا ہے رنگ

فرزند کی رکھے نہ یہ دل میں پدر کے مہر
ہے درپے سخت سدا آئینے کے سنگ

کروے بسان شیشہ جماعت عجب نہیں
اک پل میں تل کی مائی کو اوپر جو یہ کدھنگ

آبادہ مہر و کہیں پہ سدا اس کے دل کی لہر
ہے مستعد لطف و غضب اس کی ہر ترنگ

قطرے سے کرتے دانہ گوہر اسے ہے دیر
یا برق کو ہی بھیجتے خرمن پہ کچھ درنگ

نک دیکھ چشم دل سے تو اس کی یہ کروٹیں
ہر اک میں شکل بولموں ہے ہزار رنگ

شاکی تو ہوں زمانے سے ہرچند پر مجھے
اہل جہاں کے بغل و حسد نے کیا ہے تنگ

سمجھیں اسے نگین سلیمان یہ تنگ چشم
دیکھیں کسی کا ہاتھ گر آپس میں زیر سنگ

اتنا حسد ہے عاشق و معشوق میں کہ نور
منہ پر جو ہو چراغ کے تو جل مرے پتنگ

مہر و وفا کو دل سے ہے ان کے ہمیشہ عار
نت چشم سے انہوں کے مروت رکھے ہے تنگ

احساں کوئی کسو سے جہاں میں تمام عمر
دیکھے کبھو نہ خواب میں جوں مائل فرنگ

معدوم دست گیری کا شیوہ ہے اس قدر
نزدیک ہے نہ ہاتھ کو پکڑے حنا کا رنگ

ہوتا نہ اتنے نا خلفوں میں جو اک خلف
مر جاتی غم سے مادر ایام کھا شرنگ

یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس سوا
پاؤں کوئی نہ لطف و کرم کا کسی میں ڈھنگ

ہمت کے عظیم و شان کو جس کے در یتیم
تعداد موج بحر تلک بخشا ہے نگ

نواب مدح حاضر و غائب تری اگر
بولے نہ جو زباں ہے وہ گویا دہن میں سنگ

بیضے سے اس کی لعل کے نکلا کرے ہما
تجھ مزرع کرم سے چنے دانہ گر کنگ

جس دشت کی طرف ہو تری اک نگاہ مہر
اے بوستان چشم مروت کے آب و رنگ

پائے غزالہ دام میں واں بند ہو اگر
ناخن سے اپنے کھول دے جا کر گرہ پلنگ

حکم صلاح سے ترے اے صالح زماں
عرصہ اب اس قدر منہیات پر ہے تنگ

ہے کنکشن شراب کو جب کیجئے نظر
جس وقت دیکھئے تو ہے خنکوں کے نیچے بنگ

سید میں کیا بیاں کروں تیری کماں کا زور
سینہ عدو کا توڑ کے جس کا کبھو خدنگ

بیٹھے زمین پر تو پھر اس کو نہ پائیے
گر سو سکرؤ کوس تک کھودیے سرنگ

خلقت کا بر و بحر کے بیت سے ہو یہ حال
شمشیر گر علم کرے اپنی تو روز جنگ

مانگے پناہ پٹے سے اس آن پیل مت
بہ جائے آب ہو کے وہیں زہرہ نہنگ

رہنے نہ دے صفائے برش اس کی ضرب کی
باقی کسو ہی طرح سے ضارب کے دل میں زنگ

گر پشت آسماں پہ وہ آوے تو پھر حکیم
ہو خرق و التیام فلک دیکھ کر کے دنگ

ہے دل کو یہ یقین کہ ہنگام کارزار
رومیں تنوں کی صف پہ اگر ڈانٹ کر ترنگ

مارے تو جس کے خود پہ اس کو تو کیا عجب
ٹھہرے نہ قاش زین میں اور کاٹ کر کے تنگ

لیتی ہوئی زمین کو تحت الثری تلک
چھوڑے نہ کچھ جو منہ پہ چڑھے کوہ خواہ سنگ

تصویر کھینچنے کے تئیں رخس کے ترے
دل میں ہو آوے گر کسی نقاش کے امنگ

گزرے تمام عمر اسی سوچ میں اسے
سبزہ سمند بوز بناؤں میں یا سرنگ

آخر قلم کو ہاتھ سے رکھ دے کے یہ کہے
کس سے بجز خدا بندھے صورت ہوا کا رنگ

افواج قاہرہ کا ترے کیا بیاں کروں
لرزے صدائے پاشنہ سے جس کے روم و زنگ

شادی کے نقل سمجھے ہے جن کی دلاوری
ہنگام کارزار سدا گولہ تفنگ

اتنے وہ جاں نثار ہیں تیرے کہ تجھ طرف
آسیب کیا مجال کرے منہ جو روز جنگ

ہو جائے کوٹ گرد گر یہ بیٹھ جائیں
صف باندھ کر کھڑے ہوں تو ہے قلعے کی انگ

اتنا ہر ایک میں ہے تری پرورش سے زور
لپکے کسی پہ ان میں اگر بہر یا پلنگ

ہو جائے ایک مشت سے اس کے زمیں پہ فرش
جوں شیر قالی پھر نہ رہے طاقت شلنگ

پس جو کوئی کہ تجھ سا ہو اس کی ثنا و مدح
چاہوں کہ میں تمام کروں ہے یہ مجھ میں ڈھنگ

اوراق آسماں پہ کبھو لکھئے تیرے وصف
ہے دل کو یہ یقین کہ ہو لفظوں کو جائے تنگ

لیکن قسم ہے خاک قدم کی ترے اگر
اس گفتگو سے دل میں ہو سودا کے یہ امنگ

دینار سرخ لیجے یا درہم سفید
یا خلعت و جواہر و یا فیل یا ترنگ

شائستہ ہے تو اتنا ہی اس کے کہ کام میں
کہے نہ یوں تجھے تو ہو شہد زباں شرنگ

شہباز بخت کے ترے اپنے تئیں سدا
دیکھے ہمائے اوج سعادت میان چنگ



درمدح سیف الدولہ احمد علی بہادر

ہے سخن سخن اک جوان میں
فخر صائب جو وہ کرے تحسین

رات جا کر میں اس کی خدمت میں
اے دیکھا تو تھا نہٹ غمگین

میں جو پوچھا سب کہا مت پوچھ
جست کرنا کسی کا خوب نہیں

نہ کچھ اس سے حصول دنیا کا
نہ کچھ اس سے بر آوے مطلب دیں

لیکن اے یار تجھ سے کہتا ہوں
مل کے گو مجھ پہ سب کریں نفیریں

داغ ہوں ان سے اب زمانے میں
شعراؤں میں ہیں جو صدر نشیں

یعنی سودا و میر و قائم و درد
لے ہدایت سے تا کلیم و یقین

کیا غرور و دماغ و کیا نخت
کون سا کبر ہے جو ان میں نہیں

مثل شیرازہ کتاب اللہ
سمجھے ہر ایک اپنی چین جہیں

نگ جانیں جو بزم کا ان کے
بو علی ہو صف نعال نشیں

بعد صد منت و ساجت کے
جاویں گر یہ مشاعرے میں کہیں

میر مجلس کی تاب و طاقت کیا
کرے تکلیف شعر ان کے تیں

شعر اپنا پڑھے جو ان کے حضور
کر کے سرگوشی یک دگر وہیں

ایک کہتا ہے یہ تو بارد ہے
دوسرا بولے اف ری تمکیں

خلق کو انتظار کش کر کے
یک دو مصرعے پڑھیں جو آپ کہیں

درد کس کس طرح ملاتے ہیں
کر کے آواز منحنی و حزیں

اور جو احمق ان کے سامع ہیں
دم بہ دم ان کو یوں کریں تحسین

جیسے ”سبحان من“ یرانی پر
لڑکے مکتب کے کہتے ہیں آمیں

کوئی جو پوچھتا ہو عالم میں
فخر کس چیز کا ہے ان کے تئیں

شعر و تقطیع ان کے دیوان کی
جمع ہووے تو جیسے نقش نگیں

اس میں بھی دیکھئے تو آخر کار
یا توارد ہوا ہے یا تضمین

اتنی کچھ شاعری پہ کرتے ہیں
میخ در کون آسمان و زمیں

غرض اس خبث کے تئیں سن کر
ہو کے بے اختیار میں دوہیں

کہا سودا کو ان بزرگوں میں
مت گنو اس کا ہے یہ سب آئیں

اور جو ہووے بھی تو لائق ہے
فخر کرنا چہ ہے اس کے تئیں

ہے وہ مداح ایک ایسے کا
مند جاہ جس کی عرش قریں

یعنی نواب سیف دولہ سدا

جس کی شمشیر و فرق دشمن دیں

رفت دست جود سے جس کے
دامن خلق کا ہے یہ آئیں

پنچہ آفتاب سے جس طرح
بہرہ ور ہو ہمیشہ پہن زمیں

گلشن دہر میں چہار طرف
ایک مفلس جو ڈھونڈیے تو نہیں

غنچے کی بھی گرہ میں بندھوایا
اس کی بخشش نے مشّت زر کے تئیں

ہو تک اے خامہ باریاب حضور
مدح غائب سے کس کو ہے تسکین

اس چمن میں غرض ترا محتاج
ہے تو نگر سے لے کے تا مسکین

لالہ ساں گر ہے پیالہ میرے ہاتھ
کف زگس پہ کاسہ زریں

دست و پا اپنے گم کرے ہے عدو
یاد کر تیرے تیغ و خنجر کیں

پوچھتا ہے ہر ایک سے سچ کہہ
سر مرا ٹنگڑیوں میں ہے کہ نہیں

فکر میں قہر کے ترے ہر شب
حالت نزع سے زبس ہے قریں

نیند اس کو نہ آوے تا نہ پڑھیں
جائے افسانہ سورہ یسین

تیرے شب رنگ کا کروں کیا وصف
تو ہے جس کا چراغ خانہ زیں

جوں پتنگ اس پہ تجھ کو دیکھ سوار
جل کے بھسمت ہو عدوے لعیں

غرض اس گفتگو سے اے نواب
نہیں ہے اسپ و خلعت سنگیں

کیا کروں گا میں تو سلامت رہ
تیرے درازے کا ہوں خاک نشیں

خوان نعمت سے تیرے مجھ کو سدا
صبح شیریں ملے ہے شب نمکیں

سنگ تجھ آستان کا بعد از نوش
خواب کرنے کو ہے مجھے بالیں

جامہ پہنے ہوں جس کے دامن کو
ذرہ آلودگی کہیں سے نہیں

تو ہی اب دل میں اپنے کر انصاف
کمی کس چیز کی ہے میرے تئیں

یا کچھ اظہار شاعری تجھ پاس

سو تو لازم کو ہی طرح نہیں

متصل تجھ زباں پہ جاری
خوبی لفظ و معنی رنگیں

ہر زبردست زبردست ترا
رہے جب تک ہے آسمان و زمیں

تا قبول عا ہو سودا کی
تو بھی اپنی زباں سے کہہ آئیں



درمدح الملک غازی الدین خاں بہادر

کہے ہے کاتبِ دوراں منشی تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر

یہ روز و شب تو بنا ہے گا تا کجا اس طرح
کہ جامِ مہر میں آتش دے مہ کو کاسہ شیر

گماں وہ عہد نہ کر اب کہ بحرِ دنیا سے
گہر نکالے تو عریاں حبابِ پہنے حریر

رہا اسی میں ہے تیری کہ کاغذِ سابق
درست کر لے عطارد کو کر کے اپنا مشیر

وہ سلطنت کہ نمونہ جسے خدائی کا
کہے ہے شرق سے تا غرب ہر صغیر و کبیر

سنا نہیں ہے کہ غاری دیں عماد الملک
جو میرِ بخشش تھاواں کا سو اب ہوا ہے وزیر

اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے اے ناداں
تو ہو سکے گی پھر اس وقت اس کی کچھ تدبیر

دیا جواب یہ ان نے کہ میرے کاغذ میں
حضور اس کے کسی وجہ کی جو ہو تقریر

یقین ہے خامہ دست کرم سے اس کے مجھے
سوائے عفو مے حق میں کچھ نہ ہو تحریر

مری خطا بھی ہے کچھ چیز اس کی ہمت پاس
ہر ایک لحظہ جو بخشا کرے ہے گنجِ خطیر

گھر فشاں ہے سدا فیض یہ اس کا
نگرگ بار نہ ہو جس کے ابر عشرِ عشیر

غنی ہوا ہے یہ اس کے کرم سے ہر محتاج
کہ فرق ہو نہیں سکتا بہم امیر و فقیر

تمیز کیا کہوں اجزائے کار کی اس کے
کہ جس کے رمز کو پہنچے نہ آسماں کا دبیر

وہ دام زلف بتاں کو کرے اسے تنخواہ
جو مانگے فرقہ عشاق سے کوئی جاگیر

بیاں میں کیا کروں اس کی شجاعت اب جس کو
یہ کہتے ہیں صف مرداں میں کیا جواں کیا پیر

عجب نہیں ہے کہ قالب تہی کرے مرغ
اگر وہ چرخ چڑھتے سنے تری شمشیر

برش کی اس کے جو دہشت نہ ہو زمانے کو
تو ہووے رنگ نہ اس کا ہر ایک دم تغیر

جہاں کے باغ میں نقاش تیرے گل گوں کی
جو چاہیں شکل بناویں تو کیا کریں تدبیر

کہا مصور باد بہار نے جس کو
اگر قیاس میں ٹھہرے تو کھینچے تصویر

نہ دے کے اس کو میں تشبیہ برق و آتش سے
ترے حضور کروں جست و خیز کی تقریر

نہیں ہے مرکز خاکی پہ اس کی جلدی کا
بجز طبیعت معشوق کچھ عدیل و نظیر

رکھا کرے ہے سدا اس کی گرد جولاں گاہ
دماغ آہوے تاتار پر زبوائے عبیر

تری رکاب کے بوسے کی آرزو تھی ولے
نہ آیا اپنے تئیں ماہ نو سمجھ کے حقیر

شنا میں صفحہ کاغذ پہ تیرے ہاتھی کے
قلم کو ہاتھ لے کیا کیا میں اب کروں تحریر

صف عدو کے لئے رزم میں ہے روز سیاہ
ہے شمع بزم محباں کے واسطے شب قیر

بجا ہے گر کہوں اس کو اندھیری سادون کی
چوئے ہے مستی میں اس طرح جوں سحاب مطیر

نکان پا کی صدا اس کے جو سنے سو کہے

سیاہ خیمہ لیلیٰ میں قیس ہے زنجیر

برہمن اس کو تو گنیش دیوتا بولے
کہے ہے شیخ ہوا کعبہ رواں تعمیر

غرض ہے بات علیٰ قدر فہم انساں کے
چنانچہ مجھ سے جو پوچھو تو یہ کروں تقریر

زمیں کی چھاتی کو دابا ہے آسیاہی نے
زبان خلق اسے کچھ کیا کروں تعبیر

مال پر بھی اس گفتگو سے ہے سب کا
جہاں تک اس کے ہیں مداح یہ صغیر و کبیر

کہ جس دن اس پہ عماری تو باندھ کر ہو سوار
تو گویا برج حمل میں ہے آفتاب منیر

بیاں میں کیا کروں سامان تیرے لشکر کا
کرے ہے کوچ کسی سمت جب وہ جمع کثیر

گماں میں خلق کے آتا ہے دیکھ کر بنگاہ
زمیں پہ ابر یہ جاتا ہے یا چلے ہے بہیر

ستم جہاں سے ترا عدل یوں کرے معدوم
کہ جیسے خاصہ تریاق زہر کی تاثیر

یہ پرورش میں جہاں کے تری عدالت ہے
کہ شیر کا بچہ گوسپند ہے ہم شیر

جو کھینچے یاد میں تجھ خلق کے چمن نقاش
تو بو مشام میں عالم کے دے گل تصویر

نہیب قہر تری ہو جو بر و بحر اوپر
جگر نہنگ کا تڑخے ہو آب زہر شیر

وہ کنہ کون سی ہے پردہ عدم کے بیچ
کہ تیرا مدرکہ اس کا ہوا نہ ہووے مسیر

مدبری کی تری کیا ثنا کرے کوئی
کہ جس کے حق میں یہ مطلع ہے مثل مہر منیر

مطلع مانی

نہیں ہے معجز عیسیٰ سے کم تری تدبیر
کیا ہے زندہ سر نو سے جن نے عالم گیر

رواج دین نبی ہے یہ عہد میں تیرے
کہ شکل انس پہ عائد نہ ہووے اب تکفیر

شکست دیتے ہیں بت کو جو سومات کے بیچ
صدا نکلتی ہے اس سے تو کیا ہے وہ ”تکبیر“

اگرچہ فتح دکن بیچ جا کے اکبر نے
کیا ہے بھاگ نگر اور قلعہ آسیر

عزیمت اسم کی تیرے اگر پڑھے کوئی
کرے وہ ہند میں بیٹھا ستارے کو تسخیر

جو تیری ذات سے ہر نیک و بد نے اپنا کام
کیا درست سو اس کو میں کیا کروں تقریر

کہ جیسے اہل مذاہب نے جلد قرآن سے
لکھی ہر ایک نے اپنے طریق پر تفسیر

غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی تجھ سا
کریں جو خاک کو آدم کے لاکھ بار خمیر

پس اس طرح کے بشر کی ثنا کوئی مجھ سا
اگر کرے تو وہ ہوتا ہے واجب التعزیر

اگرچہ میں یہ قصیدہ کہا تو ہے لیکن
تری ثنا کی مصنف ہو یہ زباں تقصیر

کرے ہے عرض یہ سودا ہمیشہ عالم کا
رہے تو کار کشا اے امیر ابن امیر

گرہ جو کام میں اعدا کے ہے ترے اس میں
پڑے ہزار گرہ شکل دانہ انجیر



درمدح عمادالملک غازی الدین خاں بہادر

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی وہیں آ کے خوشی نے در دل پر دستک

پوچھا میں ”کون ہے؟“ بولی کہ میں وہ ہوں غافل
نہ لگے شوق میں جس کے کبھو شائق کی پلک

ہے خوشی نام مرا میں ہوں عزیز دل ہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک

کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک

سن کے یہ مژدہ جاں بخش جو میں کھولی آنکھ
اشعہ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک

آنکھیں مل کر کے جو دیکھوں ہوں تو اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں وہ ہے پاؤں تلک

حسن ایسا کہ جسے ماہ شب چار دہم
یک بیک دیکھ کے یک چند تو رہ جائے بھک

چہرے میں ایسی ہی گرمی کہ شب و روز جسے
باؤ کرتی ہی رہے دامن مرگاں کی جھپک

بعد وہ قہر کہ گتھنے کی ہو جس کے ہر لہر
گھر ڈبا دینے کو عشاق کے دریائے انک

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرے پہ مانگیں تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک

ناگنی بیچ میں آ ان کے نہ مانگے پانی
کھیل جاوے وہی کالا جو ڈسے ان کی لک

جہیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ
اس کی تشبیہ سے جب اس کو تجاوز دے فلک

قتل کرنے کا یہ جوہر نہ ہو شمشیر کے بیچ
اس کے ابرو سے مشابہ نہ بناویں جب تک

دشٹ وہ تیر کہ عالم میں نہیں جس کی پناہ
چشم وہ ترک کہ ہے قوم جنہوں کا ازبک

فتنہ اس چشم میں ایسا کہ مڑہ سے خوں خوار
متصل چوکتے پا کر دیا کرتے ہیں تھپک

حسن میں کان کے آویزے سے وہ لطف کہ جوں
مستعد قطرہ شبنم کہ پڑے گل سے ٹپک

بحر خوبی کی گویا مچھلی ہے قلاب کے بیچ
نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نتھنے کی پھرک

نظر آیا نہ دہن بینی کو تنگی کے سبب
منخرین اپنے سے گو ان نے تراشی عینک

مس آلودہ لب افگر تھے تہ خاکستر
کہ ہوا سے وہ سخن کرنے کے جاتے تھے دہک

سلک گوہر کی صفا وام لے ان دانتوں سے
برق دریوزہ کرے موج تبسم کی چمک

دونوں عارض گویا شیشے ہیں مئے گلگوں کے
زنخ ان دونوں میں یوں جیسے نمک داں میں گزگ

وصف میں اس کی ملاحات کے پردھوں اک مطلع
جس کے آگے نہ رکھے مطلع خورشید نمک

مطلع ثانی

رنگ رخسار سے شرمندہ ہو کندن کی دمک
آگے غلب کے خجالت زدہ سونے کی ڈمک

ڈھیلے پیچ اس کے نے گردن کا بڑھایا یہ حسن
جلوہ گر شمع ہو جیسے تہ دامان شبک

ساعد دست حنا بستہ کی ایسی حرکات
شاخ میں گل کے پون بنے سے جوں آئے لچک

دیکھے جو اس کی کچوں کو یہ تیقن ہو اسے
تنبو یاں تان کے یہ کام کا اترا ہے کنک

یا وہ معجون مہی کی ہیں ڈلیاں ایسی
آوے ہجان میں چھیڑے سے جنہیں روح ملک

پیاری پیاری وہ لگیں نظروں میں ایسی کہ نگاہ
یہی چاہے کہ کبھو پاس سے ان کے نہ سرک

لنج یہ قصد رکھے ڈال دے تو ہاتھ ان پر
لنگ کے دل میں بھی آ جائے کہ لے بھاگ اچک

ناف کے حسن کو اس کے جو کیا میں نے قیاس
دل نشیں ہوں ہوا میرے کہ بلا شبہ و شک

زگی چشم کوئی ہو گا کہ جس کی یہ آنکھ
لگ کے چھاتی سے صفا کے سبب آئی ہے ڈھلک

کمر اس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اس کا وصف
تھی وہ اک آہوئے دل کے لیے چیتے کی لپک

آگے تو کہہ نہیں سکتا میں کچھ اس کی تعریف
یوں حیا کہتی ہے مجھ سے کہ بس اب زیادہ نہ بک

پس میں زانو کو کہوں کیا کہ وہ ہیں آئینہ
اس کی بھی چھوٹے نہ آنکھ ان سے اگر جائے انک

آوے جس بزم میں اس ساق بلوریں کا ذکر
جلوے شمع کا پامال حسد ہووے نمک

پشت پا چھینے روئے لیلیٰ سے مجنوں کا دل
خون فرہاد سدا شیریں سے چاہے وہ کلفک

وقت نظارہ مری جب نگہ دیدہ غور
سر سے لے اس قد رعنا کے گئی پاؤں تلک

فندق پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہو گا
سرو کی بیخ سے پھولا گل اورنگ اب تک

قامت ایسا ہے کہ ہنگام خرام اس کے اگر
آگے آ جائے قیامت تو یہ بولے کہ سرک

قدم اس دھج سے رکھے وہ کہ سر عالم کا
موجب شور ہو خفاں کی پاؤں کی جھنک

کج و وا کج چلے جس طرح وہ اٹھیلی سے
موج دریا بھی اسے دیکھے تو رہ جائے ٹھنک

زرق و برق ایسی ہے پوشاک میں اس کے کہ جسے
کوند بجلی کے کہوں یا کہوں شعلے کی جھمک

جیسی ج سے تھی گلے بیچ حائل گل کی
ویسی ہی عطر کی بو اتنی ہی سوندھی کی مہک

کیفی یاں تک کہ یہ انداز سخن کا جس کے
کسو کو ہشت کہہ اٹھنا کسی کو دوت دہک

بات اس لطف سے بہکے تھے دہن سے اس کے
بادہ جوں ساغر لب ریز سے جاتا ہے چھلک

غرض اس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر
کہا میں دل کی طرف دیکھ کے ”اللہ معک“

ناگہ اس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا

اب تو شیشہ مئے اندوہ کا پتھر سے پٹک

یہ بھی کوئی طور ہے رہنے کا زمیں پر ناداں
یہ کوئی طرز ہے جینے کا ترے زیر فلک

نہ ترے گھر میں کبھو ناچ میں ہوتے دیکھا
نہ ترے در پہ سنی آ کے پکھاوج کی گمک

آدمی کے تئیں کچھ گرمی صحبت ہے شرط
وہ بھی انسان ہے دنیا میں جو اتنا ہو خنک

گو ترا وضع زمانہ سے ہے دل افسردہ
پر ہم آئے ہیں ترے گھر میں ادھر دیکھ تنگ

ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز
بادہ بھر شیشے میں رکھ لا کے نمک داں میں گزک

بزم آراستہ بلوا کے کر ارباب نشاط
پاس لے بیٹھ ہمیں سب کو چھکا آپ بھی چھک

آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں تو دیکھے اس میں
کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے اولک

یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف
دیر میں بختی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک

تار تنبور نہیں رشتہ زناں فقط
لگے سر سانچ میں تسبیح کے بھی دانوں تک

بادے کو ہاتھ سے اب مغ کے نہ پیوے ملا
پر یہ راضی ہے کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک

مختب سے چلے ہے مت رگڑ کر کاندھا
مغچہ آئے چلا قاضی کے آگے ندھڑک

سن کے میں نے یہ کہا اس سے کہ اے مایہ ناز
خیر ہے بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک

بے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں
کس طرح دوستی غم کروں دل سے منفک

وجہ کچھ ہووے تو کر مجھ سے تو اس کا اظہار
کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک

کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا اس نے کہ مگر
سمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہنچا اب تک

آج اس شخص کی ہے سال گرہ کی شادی
کہ بہ صورت ہے وہ انسان و بہ سیرت ہے ملک

یعنی نواب سلیمان فر و نام آصف جاہ
عہد میں جس کے یہ غیور بزرگ و کوچک

کسی کے آگے کوئی ہاتھ پارے کیا دخل
مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولد کودک

عدل یہ عصر میں اس کے ہے کہ ہر ایک طبیب
شعلے کی تپ کو بھی تبرید لکھے خار خشک

کرنے دیوے نہ رفو چاک کتاں کو انصاف

تا نہ رشتے کے لیے ماہ کی کھولیں بچک

راج اتنی ہے مروت کہ غزالے کو پلنگ
اس طرح سمجھے ہے فرزند ہو جوں لے پاک

عہد میں اس کے مناہی کو ہے ذلت اتنی
کنکشن مے پہ نت اٹھ بنگ سدا زیر کنک

ہمت اس کی پہ نظر کیجے تو اک آن کے بیچ
دل سے پہنچے ہے دو صد بار یہ مطلع لب تک

تجھ سے ممنوں نہ فقط روئے زمیں پر ہریک
بار احسان سے تیرے ہے دوتا پشت فلک

ہو گھر بار تجھ آگے جو سحاب نیساں
برق ہو کر متبسم اسے مارے چشمک

آگے تجھ دست کرم کے صدف پر ز گھر
مٹھی اس کی ہے جسے نکلے بہ شدت چپک

چل سکے ہے نہ کسی امر میں تدبیر حکیم
مہر سے رائے کے تیری وہ نہ لے تا دستک

دست دوراں سے موالید کا سررشتہ کار
نعرۂ قہر کی ہیبت سے ترے جائے چھٹک

پیل دینا نہیں کچھ پیل کا پٹے کا کام
حول و قوت سے ترے چاہیے نک اس کو کمک

حلم تیرے کی جو ہم وزن فلک سے کچھ شے
ڈال دیوے زرہ سہو و خطا کوئی ملک

صدمہ ایسا کمر گاؤ زمیں کو پہنچے
شاخیں ہر چند وہ کھنچوائے تو نکلے نہ کک

تجھ کو لکار کے میدان میں صف مرداں کے
سامنے آئے ترے کون ہے ایسا مردک

وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی
گاؤ سر مار بغل جائے دبے پاؤں کھسک

اور ٹھہرے بھی کوئی آن تو حق نے دی ہے
دست و بازو میں ترے قوت و قدرت یاں تک

اس کے مرکب سے ملا کر وہیں مرکب اپنا
ہاتھ پکے میں دے اور زین کے خانے سے اچک

مارے جب زور سے دے چرخ زمیں پر تو اسے
کمر دائرہ خاک میں آوے یہ لچک

کوہ ہر ایک اچھل کر جو زمیں پر بیٹھے
توڑ کر روئے سما چور کرے پشت سمک

کیوں نہ کوس لمن الملک تو مارے ہر دم
جب تری تنہا میں ہو جوہر برش یاں تک

کھینچ کر اپنی کمر سے جو تو مارے اک ہاتھ
شکل نفارے کی جوڑی کے دو حصے ہو فلک

نہ چلے خامہ اب آگے نہ سیاہی ہو رواں

باد پا کا ترے کچھ وصف نہ کیجے جب تک

چڑھ کے اس پر جو تری طبع میں گزرے یہ خیال
قاش سے زین کے کر لیجے تک باگ اچک

گاہ آ جاوے نظر گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا بیچ وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک

رو بہ رو سے اگر آئینے کے اس گل گوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو شرق سے لے غرب تک

اتنے عرصے میں بھر آوے تو اسے بادر کر
عکس بھی آئینے سے ہونے نہ پاوے منفک

شوکت و شان کہوں کیا میں ترے ہاتھی کی
چرخ پر جوں مہ نو ماتھے پہ یوں اس کے گجک

وصف میں اس کی بزرگی کے پڑھوں اک مطلع
گوش دل سے جو سخن رس متوجہ ہوں تک

اس کے گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
کہکشاں جوں شب یلدا میں نمایاں بہ فلک

بیٹھنے میں ہے وہ کوہِ اٹھنے میں ہے ابر سیاہ
عرشِ رفعت میں وہ اور چلنے میں جوں چرخِ اٹھک

شجرِ طور کا چہرے پہ ہو اس کے جلوہ
رنگیں تزیین کے لیے جس گھڑی اس کی مستک

جھول پر اس کے ستاروں کا کہوں کیا میں حسن
تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چھٹک

لے کے خرطوم میں زنجیر پھراوے وہ اگر
اس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک

لیلیٰ نے ہاتھ نکالے ہیں یہ خیمے سے
ملنے کو مجنوں کے سن سلسلہ پا کی جھٹک

روز میداں اسے دیکھو تو دلاور اتنا
سر کے واں سے نہ جہاں سے کہ زمیں جائے سرک

سامنے اس کے وہ چھوٹے ہے پٹاخوں کی لڑی
داغیں اک مرتبہ سو توپ جو ہم سنگ انک

چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہنچے اس تک

چاہے وہ توڑ کے جوں عیشگر اس کی چھڑ کو
پاؤں کھلانے لگے سوئڈ میں لے کر پولک

اس قدر ہے وہ سب کہ کبھو چلتے وقت
پاؤں کی اس کے دل مور کو پہنچے نہ دھمک

بے نکاں اس قدر اس کا ہے چلاوا جیسے
مہر میں ابر کے آنے سے ہو سائے کی ڈھلک

اس کے ہودج پہ تجھے دیکھ کے سمجھے یہ خلق
کرسی عرش پہ ہے صورت انساں کا ملک

خیمہ جاہ کا تیرے سو کروں کیا مذکور

ہووے استاد جہاں تیرے جلو کی اسک

آسماں کو نہ کریں اس کے تلے بے چوبہ
کہ نیٹ کہنہ ہے یہ اور نہایت کوچک

اللہ اللہ ترے مطبخ کا تجل جس کا
طبق روئے زمیں سے ہے بڑا خوان چشک

کافی واں زیرے کو محصول نہ ہو کرماں کا
حاصل ہند سے پورا نہ پڑے اس میں نمک

چرخ و کہسار و مصرف سے ہے واں کے دہشت
آپ کو پا کے مشابہ بہ پیاز و ادرك

اس کے مصرف کے جو دیہات ہیں پس ان میں سے
اپنے مداح کو بھی کر دے مقرر صحتک

تو ہی تک دل میں کر اب عرض کا میری انصاف
جائے کس در پہ کوئی پہنچ کے ایسے در تک

جبہ سائی ہ ے پرکھ یاں زر انساں کے لیے
آستاں کا ہے ترے سنگ بہ از سنگ محک

ختم کر اب تو دعائے پہ سودا یہ کلام
آئیں کرنے کو گئے باب اجابت پہ ملک

یا الہی جو یہ تیرا ہے چراغ دولت
تا ابد اس سے منور رہے قندیل فلک

تا قیامت رہے مسجود خلائق وہ جگہ
مند جاہ کی تیرے بچے جس پر توشک

جو ترا دوست ہے اب آئینہ گیتی پر
اس کی تمثال کبھو ہونے نہ پاوے منفک

کاتب دست قضا شکل عدو کی تیرے
صفحہ ہستی سے جوں حرف غلط کر دے حک



درمدح شاہ عالم گیر ثانی

رکھے ہمیشہ تری تیغ کار کفر تباہ
بحق اشد ان لا الہ الا اللہ

فلک پہ سب سے سیارہ تا قیام جہاں
پھرا کریں تری مرضی شریف کے ہم راہ

لسان پرتو خورشید آسماں پہ رہے
ترے چراغ سے روشن ہمیشہ مشعل ماہ

سجود در سے ترے بہرہ ور ہوں اہل زمیں
رہے رکوع میں تا قامت سپہر دوتاہ

لسان رشتہ کہ دانوں میں سجے کے ہووے
تری ولا کو رہے اس طرح دلوں میں راہ

یہ نام پاک کہ کہتے ہیں جس کو عالمگیر
خدا ہمیشہ رکھے زیب و زینت افواہ

بجا ہے تجھ کو سلیمان جلال گر کہئے
کہ ہے وزیر کا تیرے خطاب آصف جاہ

علو مرتبہ تیرا نظر کرے جو کوئی
رہے فلک ہی کو اس کی بہ رنگ شمع نگاہ

شہا' نسب جو ترا آفتاب کو پہنچا
ہر آسمان نے چھینکی ہے آسمان پہ کلاہ

نہیں کلف یہ فلک سیر کا ترے لے کر
بغل میں غاشیہ اپنے چلا کرے ہے ماہ

کرے جب آنے کا تو عزم پشت پر اس کے
رکاب داب کے اقبال بولے بسم اللہ

جدھر کو ہو تو جلوریز پھر ترے آگے
ظفر جو "طرقوا" بولے تو فتح "پیش نگاہ"

جہاں پناہ ترے درگہ عدالت میں
کسی کو دیوے اذیت کوئی معاذ اللہ

جلے جو شام کو پروانہ بزم میں تیری
تو صبح شمع کے آتا ہے سر پہ روز سیاہ

شرار سنگ سے خاشاک کو جو پہنچے ضرر
لے آوے کھینچ کے دیواں میں کوہ کو پر کاہ

کرم بھی اتنا ہی تیرا ہے خلق کے اوپر
کہ اب دفور سے خالق ہی جس کے ہے آگاہ

امید عفو ترا نہ بیچ ضامن ہو
کوئی نہ کر سکے ہرگز کسی طرح کا گناہ

جو مٹت فیض تو کھولے کسی پہ مثل صدف
تو موج آب گہر سے وہ نکلے کر کے شاہ

کرے ہے عرض یہ سودا جناب اقدس میں
زمانہ چاہے تھا مجھ کو رکھے بہ حال تباہ

تجھ آستان پہ ولے اب مدد سے طالع کے
ہوا ہے آن کے حاضر یہ بندۂ درگاہ

پس اب جہاں میں کوئی خوش نصیب ہے مجھ سا
امید جس کی بر آئی ہو اتنی خاطر خواہ

کیا میں فرض کہ آنے سے زیر بال ہا
جنہیں حصول ہو جشید کی سی شوکت و جاہ

پر ان کو اوج سعادت سے میرے کیا نسبت
وہ پچھے ظل ہا تک میں تا بہ ظل اللہ

غرض کروں ہوں دعائے پر میں ختم سخن
ادب کی مرضی ہے طول کلام ہو کوتاہ

الہی تا ہو جہاں تو ہو اور دنیا ہو
جہاں کی خوبی ہو تو اے جہانیوں کی پناہ



درمدح نواب مہربان خان

جب کہے مورد تحسین میں اکثر اشعار
کہا استاد نے مجھ سے مرے سن کر اشعار

اے پیر! چار نصائح میں کروں ہوں ان کو
کر کے تحویل دل اپنے تو کہے گر اشعار

ہیں جو خاقانی و فردوسی و سعدی مشہور
کیا عجب ہے کہے تو ان کے برابر اشعار

اولاً یہ کہ مجالس میں زباں دانوں کے
تیرے آگے جو پڑھے کوئی سخن ور اشعار

سخن ایسا نہ ہو سرزد کہ دل اس کا ہو دو نیم
گو ہوا تیغ زباں کا ترے جوہر اشعار

دو یکنیٰ یہ جو تو چاہے کہ نہ مجھ سا ہو کوئی
شعر سے میرے کسو کے نہ ہوں برتر اشعار

شعر تحسین پہ بھی ناداں کے نہ پڑھیو زنبہار
پڑھیو دانا کی تو نفریں پہ مکرر اشعار

سوئی گر کہے تجھ سے کوئی نادان کہ ہیں
تیرے دیواں میں دواین کے افسر اشعار

شعرا میں تو نہ پڑھیو جز امید اصلاح
ہوویں بالفرض ترے ان سے بھی بہتر اشعار

چار میں بال زن ان کو نہ سمجھیو بہ فلک
مرغ معنی سے ترے پاویں جو شہر اشعار

بوجھ گر اپنی ترقی کو تنزل تیرے
عرش پر ہوں تو سمجھ فرش کے اوپر اشعار

اس نصائح کی سند پھر ز کلام عرفی
لا کئے وہ میرے لیے بہ ز جواہر اشعار

لگے فرمانے کہ استاد انہوں کا سن کر
ویسے شعروں کو کہے تھا نہ کہا کر اشعار

مرتبہ شعر کا زہار نہ سمجھے گا تو
فائدہ کیا جو کرے داخل دفتر اشعار

اس طرح کی جو سنی طعن و تعرض ان نے
اور کے نام سے اپنے پڑھے اکثر اشعار

آفریں آفریں ہر شعر پہ دے کر استاد
بولا یہ خوب پڑھے تو نے سراسر اشعار

سن کے تحسین یہ عرفی نے کی استاد سے عرض
میرے ہی گزرے تھے یہ میری زباں پر اشعار

پڑھ کے نام اپنے سے تھا مورد نفریں ورنہ
کسی دیواں میں نہیں ان سے تو بہتر اشعار

یہ سخن سن کے تامل سے دیا اس کو جواب
یوں جو سمجھے تو کہاں شاعر و کیدھر اشعار

ہم نے چاہا تھا کہ ہوویں ترے آفاق کے بیچ
نور معنی سے بہ از خسرو خاور اشعار

پر ہوئے جتنے کہ ہونے تھے ترقی نہ کریں
اب جو چاہے تو سر مو کے برابر اشعار

غرض اس نقل و نصائح سے مرا ہے یہ مال
نیک تو سب میں ہو اور تجھ سے نکوتر اشعار

بزم ارباب سخن میں جو کبھو حاضر ہو
پڑھیو وال بیٹھ کے تو سب سے فروتر اشعار

یہ نہ ہووے کہ مسلح مکی اشجع لیے ساتھ
پھرے پڑھتا ہوا اس وضع سے گھر گھر اشعار

آتے ہی چشم تو لے مونڈ دہن کو دے کھول
باؤ جوں چلتی ہو پڑھتے چلے فر فر اشعار

اور بشرے سے یہ پیدا جو کرے حرف کوئی
تو پڑھیں یار بہ شمشیر و بہ خنجر اشعار

دل میں لاجول ہے سامع کے زباں پر تحسین
جی میں یوں جلد اٹھے یاں سے یہ پڑھ کر اشعار

اہل مجلس تو دعا کرتے ہوں چپ رہنے کی
صاحب خانہ جو ہو سن کے مکر اشعار

بولے کیا آپ میں صنعت ہے یہ سبحان اللہ
لب چپکتے نہیں اس پر کہ ہیں شکر اشعار

یہ کنایہ نہ سمجھ کر جو پڑھا سب دیواں
آئے دو چار ہی فہمید میں مر مر اشعار

مطلب اس وضع سے پاتا نہیں شاعر شہرت
بلکہ اس سے تو ہوں رسوائی پہ منجر اشعار

نطق کے باغ کا پھل نام نکلنا ہے سو یہ
خاکساروں ہی کو دیں ہیں ثمر و بر اشعار

عجز ہو تو بہ جہاں پائے سخن حسن قبول
یوں نہ ہوں نقش دل کہتر و مہتر اشعار

خزف دل کو کہا گو کہ صدف کا موتی
کب مصنف کے کہے سے ہوئے گوہر اشعار

نہیں آفاق میں دل کش سخن بے تاثیر
گر اثر ہو تو کریں دل کو مسخر اشعار

بے اثر جس کے سخن ہوویں وہ شہرے کے لیے
پڑھے گو ملک بہ ملک اپنے مکرر اشعار

آوے جو منہ میں نکالے وہ کسی کے حق میں
پر نہ نکلیں سبھی جزدان کے باہر اشعار

حق کی امداد ہے مقبول سخن کا ہونا
یوں تو کہتے ہیں سبھی بہتر و بدتر اشعار

آدمیت ہے بڑی شے نہ کہا شعر تو کیا
کس پہ واجب ہے ز ارشاد پیہر اشعار

شاعری سے نہ طلب کیجئے کچھ فوقیت
خلق کی نظروں میں کر دیویں جو احقر اشعار

مہرباں خان بہادر کے تو اخلاق کو دیکھ
جس کے ہیں بحر معانی کے شاور اشعار

اس کمال اپنے پہ آگے وہ سخن سنجوں کے
ڈرتے ڈرتے بہ زباں لائے ہے اکثر اشعار

یوں کہے فہم کا غواص کا دل میں اپنے
رکھے موتی کی جگہ اس کے صدف بھر اشعار

کس زباں والے سے کہوں اس کی میں تاثیر کلام
عاشقوں کے ہیں رگ جان کو نشتر اشعار

شیوہ جو کرے ترک وہیں گر اس کے
نے عشاق سے معشوق سنگر اشعار

اس کے دیوان کی خوبی میں کہوں کیا جس میں
دل کش اک خلق کے ہیں صورت دلبر اشعار

کون خوش قد ہے نہیں جس کی زبان و دل پر
اس کے تو پہنچے ہیں تا سرو و صنوبر اشعار

کیا تعجب ہے زباں سے جو نے طوطی کے
پڑھتی ہے اس کے تو بلبل چمن اندر اشعار

ہو کے مصروف دل و جاں سے کہے ہیں ان نے
بس کہ در منقبت حیدر صفدر اشعار

نظم اس کا رکھے ہے حکم دعائے جوشن
بہر حرز اس کے پڑھیں عازم لشکر اشعار

اس کی ہمت نے کیا ایک جہاں کو شاعر
کہتے ہیں اب سبھی لینے کے لیے زر اشعار

سیم و زر ہی پہ فقط کچھ نہیں موقوف صلہ
لینے کو لعل و گہر کہتے ہیں گھر گھر اشعار

وصف شمشیر کیا چاہے تو صورت نہ بندھے
ہو کے دو ٹوک کہے تا نہ سخن ور اشعار

جمع ہووے نہ کبھو یاد میں اس کے دیواں
رہیں تا حشر خیال اس کے میں ابتر اشعار

اس کے توسن کا چلاوا ہے یہ موزوں جیسے
طبع شاعر کی چلے کہنے کو ہر پھر اشعار

شرق سے غرب تلک آن میں پہنچیں یہ جان
وصف میں اس کے اگر پھینک دوں کہہ کر اشعار



itsurdu.blogspot.com

درمدح شاہ عالم بہادر شاہ

ہے اشتہار تجھ سے مرا اے فلک جناب
رخشدگی ذرہ ہے از فیض آفتاب

اک تخم ہوں میں خاک نشین زمین شور
نشوونما دے مجھ کو کرم کا ترے سحاب

ہے یہ جہاں میں وہ دولت سرا کہ یاں
ناکام بخت آن کے ہوتا ہے کامیاب

قطرہ تجھ ابر فیض سے پہنچے جو سوئے بحر
جاوے رگڑتے چرخ کو موج در خوش آب

دریا کو سیر کشتی سے تیرے ہو یہ شرف
لاوے عجب نہیں جو ہما بیضہ حباب

روشن دلوں کو گر نہ ہو مسجود در ترا
رکھے نشان سجدہ جہیں پر نہ ماہتاب

معراج وہ نبی کی جو ہو عرش کے پرے
معراج امت اس میں جو اس جا ہو باریاب

یہ عدل ہے ترا کہ قوی کو ضعیف پر
کرنے سے اب تعدی کے اتنا ہے اجتناب

کنجشک کے چلے نہ وہ تیر آشیاں تلک
پر گیری میں لگائے جس کے پر عقاب

پہنچا نہ تیرے عہد مبارک میں ایک روز
از دست محتسب کوئی تا پائے احتساب

ہیبت سے کانپتی ہے منائی اب اس قدر
ہو جائے کیا عجب عرق بید گر شراب

سامان تیرہ روزی ہے بہر سر عدو
تیری وہ تیغ قبضہ ہے جس کا سیاہ تاب

کیا تاب ہے عدو کی جو ٹھہرے ترے حضور
سن کر نہیب قہر کو تیرے گہ عتاب

ہر پرت پرت کوہ کا یوں اڑ چلے کہ جوں
کھل جائے باد تند میں شیرازہ کتاب

جز ماہ نو قرینہ نہیں تجھ کمان کا
ترکش کا چھٹ خطوط شعاعی نہیں جواب

اس رخس برق وش کے ترے وصف میں شہا
میں نے کیا ہے مطلع روشن یہ انتخاب

رانوں میں اس کو صورت سیما اضطراب
چالاک تر خیال سے اور وہم سے شتاب

گلگوں بھی اس کو کہئے تو ہے یہ سخن بجا
آتی ہے باس جس کے عرق سے بہ از گلاب

نک رہ عناں کشیدہ تو اس پر گہ خرام
ہے آرزو صبا کو کہ بوسہ دے بر رکاب

بخش جو تجھ کو حق نے جوانی میں سلطنت
شب زمانہ کو یہ ہوئی خواہش شباب

نزدیک شام کچھ یہ شفق پھوٹا نہیں
کرتا ہے چرخ پیر حنا باندھ کر خضاب

اس بارگہ کو کیوں نہ فلک مرتبت کہوں
جس کی بلند کاه کشاں سے بھی ہر طناب

استاد ہونے میں ہے یہ کچھ اس کی عظم و شان
اٹھتا ہے جس طرح شفقی رنگ ہو سحاب

رفعت ہر ایک چوب کی برتر خیال سے
کولی میں قطر وہم کے آوے یہ کیا حساب

خوبی میں باد ریشوں کی اس کے کہوں سو کیا
جوں معجز نبی سے ہو دو حصے ماہتاب

اس اس روش کی قالی گگلوں تھی اس میں فرش
دیکھی نہ ہو گی موسم گل نے جسے بہ خواب

برج حمل کی طرح سے ہے اس کے بیچ تخت
تو اس میں یوں شرف کے ہو جوں گھر میں آفتاب

سودا کرے ہے ختم دعائے پر سخن
اس جا نہیں ہے طول سخن مقتضائے داب

اس تخت پر بہ مسند اقبال بیٹھ کر
کرتا رہے تو شادی نو روز اے جناب



itsurdu.blogspot.com

درمدح نواب شجاع الدولہ بہادر

خوں مرے دل میں نہیں؛ تشنہ ہے گو تیرا ناز
شرم سے خو کے تری پہنچی ہے آتش بہ گداز

گردش دہر ان آنکھوں کی بلا گرداں ہے
بخت بر گشتہ کا مرگاں کے تصدق انداز

جنبش لب بہ سخن آبروئے چشمہ خضر
دم عیسیٰ کے لیے موج تبسم دم ساز

ہے سر دہر میں تجھ زلف سے سودا کہ ہوا
پا بہ زنجیر اسے سلسلہ عمر دراز

نذر ہنگام ادا ایک جہاں کا دل و دیں
ناز کے وقت گریبان دو عالم ہے نیاز

تیوری کی گانٹھ کا کب ہم پہ کھلے ہے عقدہ
ہووے گی کوئی گرہ زہر کی یاں محرم راز

رخصت آفت نہ ہو تقدیر سے جب تک تیرے
کر نہ لے گوشہ ابرو کے اشارے سے ساز

گاہ زُگس نظر آویں گے آہو گہ ترک
انکھریاں ہیں تیری ظالم کہ کوئی شعبہ باز

کینہ جوئی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
مہربانی کا تری جور فلک پا انداز

تو جو کہتا ہے نہیں دل کو ترے صبر و شکیب
اس سخن سے تو ہے انصاف بے دور و دراز

عہد میں حسن کے تیرے جو پیہر ہو کوئی
معجزات اس کے میں ہے صبر بڑا ہی اعجاز

کون وہ دن تھے کہ جب تب مرے نظارے کو
ترے آئیں میں پریشاں نظری کا تھا جواز

سو وہ صحبت ہے یہ بالعکس کہ پیش آئے ہے تو
مجھ سے ہر روز بہ ناز اور سے ہر شب بہ نیاز

نالہ و آہ سے میرے بہ جہاں رات کو خواب
بے ہے چشم خلاق سے رہ دور و دراز

ایک طالع کی تو اپنے نہ کہوں میں ورنہ
اٹھ کے جب دیکھے تا دیدہ مہتاب ہے باز

امتحان میری وفا تا بہ کجا کیجئے گا
صف عشاق میں سب جانتے ہیں اے طراز

یوں خم تیغ جفا سے ہوں ترے سر بسجود
آگے محراب کے جس طرح سے ہو پیش نماز

کوئی سنتا نہیں فریاد کو میری ورنہ
آہ کی طرح میں ہو جاؤں سراپا آواز

دل کی تو کہہ نہیں سکتا میں در اندازوں سے
کس لیے میں کہوں کچھ تجھ سے کہے کچھ غماز

مال و زر تھا سو دیا عشق میں تیرے برباد
نقد جاں پر نہیں راضی جو کروں اس کو نیاز

کس طرح سے یہ ستم چاہے گا انصاف اس کا
استخوان کو ہو مرے جور ترا توتیہ ساز

دہر میں داد رس خلق ہے اب جس کی جناب
اور ابنائے جہاں میں ہے سمھوں سے ممتاز

یعنی موسوم بہ نواب شجاع الدولہ
ذات سے جس کے زمانے کو ہے فخریہ و ناز

کیا بیاں اس کی عدالت کا زباں پر لاؤں
سحر ہے صولت عدل اس کی نہیں گر اعجاز

باز و کنجشک کی کھینچے جو مصور تصویر
رب کنجشک سے پرواز کرے صورت باز

پیش خس تاب نہ آتش کو بہ جز خاموشی
نہ یہ طاقت کہ زباں اپنی کرے شعلہ دراز

عدل جس کا یہ ہو لازم ہے کہ اب اس کے حضور
جاؤں اس مطلع ثانی کے میں کرنے کو نیاز

مطلع ثانی

در نہ ہو قطرے سے اے بحر سخا کے ممتاز
گر ترا دست کرم ابر سے ہووے ناساز

ہمت عام نے تیری بہ جہاں اپنا کو
ہاتھ پھیلانے سے باہم کے رکھا یاں تک باز

سیر چشی ہے اب اتنی کہ کسی باغ کے بیچ
ساخ مانا نہ پڑے گل کے با دست دراز

یہ مسلم ہے کہ وہ پہ کہ اتفاق کے بیچ
زندگی بخش میا کا ہے لا شک اعجاز

لیکن انجام کو پہنچائے ہے تو کار شفا
مفلسی کے جو مرض کا ہو کسی کو آغاز

عہد میں اپنے شجاعوں کو وہ اشجع ہے تو
کہ تہور پہ ہے تجھ دل کے شجاعت کو ناز

نعرۂ قہر کو تیرے جو سنیں روئیں تن

استخوان ان کے طرح شمع کے ہو جائیں گداز

شعلہ پیرا وہ تری تنغ ہے جس کی ہیبت
کوہ کی تنغ تک رکھتی ہے چلنے سے باز

لاکھ پانی سے بجھائے ہے وہ آتش لیکن
شعلہ برق سے اب تک ہے زباں اس کی دراز

اطلس ہفت فلک ہو جو عدو کی چلتہ
کٹے اس طرح وہ اس سے کہ چھری سے جوں پیاز

کام صحت سے نہیں اس کی جراحات کو مگر
عیسیٰ کارڈ بہ بھی لاوے تو لاوے اعجاز

ورنہ جراح کے کب بخیر و مرہم کے ساتھ
ناخن شیر اجل کے ہو نہٹے کو ساز

حکم انداز ہے وہ تو کہ کہاں کا قبضہ
ہاتھ اپنے میں لیا جس گھڑی جوں چنگل باز

چشم نے دہر کے دیکھا نہ ہوا میں ہرگز

طارُ روح سوا مرغ کو کرتے پرواز

زیرِ راں ہے وہ ترے رخسِ صراحی گردن
شورِ قلقل سے بہ از شہے کی جس کے آواز

جلد پر اس کے صفا سے ہے یہ کچھ کیفیت
دیکھ کر جس کے تئیں چھک رہے صد آئینہ ساز

بوءِ خوش بادِ سحرِ یال سے اس کے تحفہ
لے کے جاتی ہے سوئے زلفِ بتاں بہرِ نیاز

گوش سے تا بہ دم اس کے ہیں گلِ اس خوبی سے
صد چمن جس کے طویلے کا نہ ہو پا انداز

اچلاہٹ سے تو پڑتی ہیں یہ ابلی آنکھیں
رشتک سے دل ہو جسے دیکھ چکارے کا گداز

پوز یہ اس کی بہ از غنچہ سوسن کہ جسے
کسی گلِ رو کا لگے کب دہن خندہ طراز

مولد اس کا ہے مگر مجھ کہ وہ رکھتا ہے

تہے میں غمزہ خوبان عرب کا انداز

اس سبک رو کو جو پھینکے تو روے دریا پر
ٹوٹے ہرگز نہ حباب اس کے یہ زیر تگ و تاز

خندق و قلعہ نہ ہو اس کی ڈپٹ کے حائل
جوں ہوا اس کو مساوی ہے نشیب اور فراز

کڑک اس کی میں کہوں کیا ہے جو کچھ سرپٹ میں
بانج وہ جس کے تئیں صلعتے کی ہے آواز

اڑ کے رہ جائے جہاں اس کی ٹکاپو کی گرد
طار و ہم کو پہنچائے نہ واں تک پرواز

کیا کروں وصف ترے پیل فلک پیکر کا
تا بلند اپنی زباں سے نہ سخن ہو آغاز

یوں مہاوت کی ہے اس مستک رنگیں پہ جگ
ماہ نو جوں شفق شام میں ہو جلوہ طراز

حسن میں سیاہ قلم کی ہے وہ تصویر اس سے
خامہ صنعت حق کی نظر آئے پرداز

اس طرح دانتوں میں خرطوم ہے اس کے جیسے
موسم دے کے ہوں کوتاہ دن اور رات دراز

پائل ایسا کہ عجب کیا ہے بہ وقت رفتار
سائے اپنے کو رکھے ہم رہی اپنی سے باز

بے تکان پیرے ہے دریا میں وہ اس صورت سے
رشتک کھاتے ہیں جسے دیکھ سواران حجاز

اس قدر ہے وہ دلاور کہ بہ روز ہیجا
استقامت کرے اس کی جگر کوہ گداز

لاکھ گر توپ دغے اس کے محاذی تو وہ
سمجھے پشے کی طہیں ان کی وفا میں آواز

غرض اس نظم سے تو یہ نہ سمجھو ممدوح
کہ طمع پر ترے مداح کی ہو عرض نیاز

خلعت و اسپ و گہر تیرے نہ آگے کچھ چیز
نہ وہ میں اس لیے تجھ پاس کروں دست دراز

ہے تصدق جو مقرر مری خاطر اس میں
نمکیں شیریں کو ہے ذائقے سے میرے ساز

بہر پوش مجھے ملتا ہے وہ جامہ جس کا
دامن آلودگی حرص سے رہتا ہے باز

مجھ کو کچھ کام نہیں تو مجھے جوں چاہے رکھ
میں ہوں بندہ ترا اور تو ہے مرا بندہ نواز

مطلب اس سے یہ جو سودا ہے ترا پیر غلام
اور کیا ہو سکے جز یہ کہ دعا بعد نماز

تیرے اعدا رہیں نظروں میں زمانے کے ذلیل
حق دو عالم میں رکھے تجھ کو سدا با اعزاز



درم نواب شجاع الدولہ بہادر

مرغ معنی کے اگر صید پر اپنا ہو خیال
عرش پرواز ہو تو کھل نہ سکیں اس کے بال

نہ بچے طائر مضمون نظر انداز مرا
فکر عالی کی ہے شاہین مری راہ نوال

آوے ہے شعر و سخن پر جو طبیعت میری
معنی پردے سے عدم کے کریں ہیں استقبال

کچھ مجھے تازہ مضامین کی نہیں سعی و تلاش
پھرتے ہیں ناطقے میرے کے سدا وہ دنبال

شت و شو دوں ہوں میں الفاظ کو جس پانی سے
ورد ہے آب گہر سامنے اس کے وہ زلال

جس زمیں پر میں کروں بیٹھ کے مصرع موزوں
واں بجز سرو ہے روئیدگی فحل محال

نور خورشید ہو شب گھر سے فلک کے زائل
نور معنی سے مری بیت کئے ہے دور زوال

جو زباں داں متعج ہو زباں کا میری
چہرہ ہونے کی فصیحی کو نہیں اس سے مجال

خامہ کہتا ہے مرا ہے جو فصاحت اک چیز
سو زباں کی ہے مرے خادمہ بے زر و مال

یہ زباں مجھ سے کے خامے کو عطا کرنے سے
میں سمجھتا ہوں جو منشی ازل کا ہے مال

کہ رہے مدح میں ایسے کہ جسے تا بہ ابد
پرورش کرنے میں گزرے کہ و مہ کے مہ و سال

یعنی نواب فلک رتبہ شجاع الدولہ
قائم اس کا رہے تا حشر یونہی جاہ و جلال

مطلع تازہ کر اے خامہ رقم اب ایسا
کہ بہ از مطلع انوار کیا جائے خیال

مطلع مانی

بہ تمنائے جہیں بدر بھی ہوتا ہے ہلال
بس کہ یاں سجدے کے مشتاق ہیں ارباب کمال

یہ وہ در ہے کہ جہاں آ کے بہم پہنچاؤے
رتبہ بال ہلکا ہر گس بے پر و بال

آستان ہے یہ وہ عالم میں کہ جس کے در پر
جتنے ہیں خاک نشیں باغ کرم کے ہیں نہال

کرم انسان پہ جوہر ہے طبعی تیرا
خواہ ہو نیک کوئی، خواہ کوئی بد اعمال

کام گرتے کا اگر تو بہ تغافل فرمائے
سایہ تیرا کر اٹھے عرض یہ تجھ سے کہ سنبھال

جس جگہ تیری مروت کا زباں پر ہو ذکر
شعلہ واں خس کی اذیت کو سمجھتا ہے وبال

پدری کی ہے انہوں کی جو ترے دامن تک
مادر گیتی کی بے مہری سے پہنچے اطفال

مفلسی سے نہ مکدر کوئی خاطر پائی
آب زر سے جو دھوئی تو نے زبس گرد ملال

قول پر ان کے نہ ہوتی تری ہمت جو دلیل
پوچھتا میں حکما سے ”ہے خلا کیونکہ محال؟“

ہاتھ کا تیرے اگر عکس پڑے دریا پر
در مکنون سے ہو مشیت صدف مالا مال

چاہیے ابر گہر بار پیارے دامن
پونچھ کر چہرے کو جھٹکے جو تو اپنا رومال

جس گھڑی دہر میں تیرا ہو کف جود بلند
اور اس وقت کرے تجھ سے کوئی آ کے سوال

ہو یہ انبار طلا دست تلے سائل کے
کہ جسے پنچہ خورشید کا پہنچے نہ خیال

نطق نے تیس حرفوں سے ترے عہد کے بیچ
سین و واؤ و الف و لام کو ڈالا ہے نکال

تو وہ عادل ہے جہاں میں کہ قلم رو میں ترے
چیونٹی بھی دست تعدی سے نہ ہووے پامال

اس قدر سنگ نہ بوجھل ہو زمانے میں اگر
ارمغاں حلم ترا بار نہ بھیجے بہ جبال

صولت قہر کے آگے ترے یوں دیو سیاہ
آنچ سے آگ کئے جوں تاب میں آ جاوے بال

روز میداں قدم اپنا تو جہاں گالے واں
کوہ کا سینہ پھٹے دیکھ ترا استقلال

شرق سے غرب تک رعب ترے نیزے کا
دھاک ہے تیغ جنوبی کی تری تا بہ شمال

اس کی خوں ریزی سے یوں فوج عدو گھونگھٹ کھائے
جوں مہ نو سے محرم کے پلٹتا ہے سال

کافر حربی و موذی و منافق ملحد
ایک چورنگ ہے چاروں کا اسے استیصال

کیا بیاں تجھ سے کروں وصف سپر کا تیری
سایہ مہر نبوت ہے تری پشت پہ ڈھال

شت اندازی سے تیری ہو عدو کب جاں بر
دائم انگشت قضا تیر کی تیرے ہے بھال

تیرے شب رنگ کے جلوے کے تیں جو دیکھے
کہے وہ اس کو کنھیا ز رہ حسن و جمال

پہنچیں کب اس کے چلاوے کے تیں وہم و قیاس
سالہا گر وہ کریں دوڑنے کا استعمال

دیکھے اس پر جو تجھے وقت کہاں داری کے
رہے حیران نشانے کی طرح چشم غزال

اس کے پیکر میں جو دیکھا ہے میں اس کا تیا
برق کی ابر و ہوا میں نظر آئی تماشال

روز میداں وہ کبھو فوج عدو پر کڑ کے
بدتر از صاعقہ لاوے سر اعدا پہ زوال

تیرے ہاتھی کا بیاں تجھ سے کروں میں لیکن
چھوٹا منہ اور بڑی بات نہیں اپنا قال

رفعت و شان و بزرگی میں کہوں کیا اس کی
مرتفع جس کے مہ و مہر سے بھی ہوں گھٹال

اس طرح مستک رنگیں پہ ہے اس کے گجباگ
جوں فلک پر شفق شام میں نکلے ہے ہلال

جلوہ گر ہیں شب دیپور میں گویا دو شمع
حسن کو دانتوں کے اس کے جو کیا میں نے خیال

پایل اتنا وہ چلے ہے کہ اسے باور کر
بخشے دشمن کے تئیں عمر ابد جس کی چال

باندھ دیں پاؤں سے اس کے جو عدو کو تیرے

پھر اجل چاہے کہ پہنچے اسے ہے امر محال

اس کی خوبی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
وصف میں اس کے ترائل کے زباں میری ہے لال

کوئی کہتا ہے ”سیٹے کھڑی ہے آپ کو رات“
کوئی بولے ہے ”نہیں“ چہرے پہ دن کے ہے خال“

فی الحقیقت وہ جو ہے ایک پون نام نسا
اکٹھے کر ان نے گرہ دے رکھیں ہیں اپنے بال

ناکی حق نے عطا کی تجھے ایسی جس سے
ہند کے تحت کو تا حشر رہے استقلال

تو ہے خورشید جہاں تاب کی صورت اور وہ
بے تصنع بہ نظر برج حمل کی ہے مثال

خلق کو شادی نو روز سدا ہوتی ہے
دیکھ مسند پہ تجھے اس میں بہ دوش اقبال

غرض انسان نہ کہو پہنچے بہم تجھ جیسا
آسمان گر کرے خلقت کو جہاں کے غربال

کون ایسا ہے میں تشبیہ تجھے دوں جس سے
تو ہی آئینہ ہستی میں ہے اپنی تمثال

تو ہے جوں مہر جہاں تاب بہ ذرات جہاں
مہر کو ذرے سے تشبیہ ہے تحقیق پہ دال

ختم کرتا ہے دعائے چہ سودا یہ کلام
دوست ہوں شاد ترے اور ہوں دشمن پامال



درمدح نواب شجاع الدولہ بہادر

اشجار کا بستان جہاں کے ہے عجب ڈھنگ
جلتا ہے چنار اس سے رخ گل پہ جو ہو رنگ

بے مہری سیار گلستاں میں کہوں کیا
پھل دے انہیں جو نخل اے مارے ہیں یہ سنگ

جتنا ہے انہیں نخل حسد اس سے ہے افزود
چشم ان کی ہے جوں غنچے دل ان کے سے بھی کچھ تنگ

ہے خام طمع کو قدح چشم سے ان کے
بادے کی مروت کے طلبِ وسوسہ بنگ

اظہار کریں کور سے دے چشم میں سرمہ
واں اٹھ کے لگیں دوڑنے بیٹھا ہو جہاں لنگ

آ پھرتے ہوئے ان کے دل و دیدہ کے اطراف
نت مہر و وفا عار کریں شرم و حیا ننگ

مہماں سے گرفت اتنے ہوں یہ ماحضر اوپر
دل مرغ کے سینے پہ گویا باز کا ہے چنگ

ہے ان سے غلط چاہنی صہبائے ترم
شیشے کا انہوں کے ہے ٹھکانہ جگر سنگ

ابنا میں توقع نہیں انساں کو کسو سے
چھٹ اس کے وزیر اب ہے جسے ہند کا اورنگ

کیا منہ مرا اور کیا لب و لہجہ ہے کہ اس کا
لوں نام مفصل نہیں آداب کا یہ ڈھنگ

اس بحر میں وہ نام بزرگ آوے سو کیونکر
چلوں میں سمندر نہیں آتا ہے کسی رنگ

ان بیتوں کے حرف سر مصرع پہ نظر کر
جو اسم شریف اسکے سمجھنے کا ہے آہنگ

شمہ جو بیاں کیجئے اوصاف کا اس کے
جو خوبی ہے دنیا میں لگے اس کے نہ پائنگ

الطاف و کرم کا جو شمار اس کے کروں میں
عاری رہوں امواج کو گن کر بہ لب گنگ

انصاف یہ اب عہد میں اس کے ہے کہ فریاد
لایا نہ لبوں تک کوئی غیر از جس و زنگ

دیکھا نہ یہ میں حوصلہ جز اس کے بشر کا
وسعت بھی زمانے کی حضور اس کے ہے کچھ تنگ

لعل اس کے تیں بجھنے تنگ سے ہیں کم تر
ہمت کا جہاں بچ بھلا کس کے ہے یہ ڈھنگ

بازو کا اسے زور شہ ہند کا کہے
ہیبت بہ جہاں اس کی بہ ہر صاحب اورنگ

آمد کی خبر اس کے جو ہووے طرف روم
دہشت سے لرزتی ہی رہے مملکت زنگ

رو جب کرے میداں میں سوئے معرکہ اپنا
کیا تاب کہ دکھلائے نہ پشت اپنی صف جنگ

لکھ وصف شجاعت میں قلم مطلع ثانی
دل مدح سے غائب کے مرا اب ہے بہت تنگ

مطلع ثانی

رستم کو خبر ہو کہ ترا اس پہ ہے آہنگ
جیوے بھی جو یہ سن کے تو کھایا نہ لگے انگ

بل چیونٹی کا پاوے تو کرے چھپنے کا واں قصد
بہن پہ تجھے دیکھ کے عرصہ ہو زبس تنگ

طار کے جو تو صید پہ لے تیر و کماں ہاتھ
ارجن کے وہیں چہرے سے پرواز کرے رنگ

حربے سے یہ دہشت پڑے ساونت کے دل میں
بچ جائے اگر جان سے کھا کر تری سرچنگ

ہاتھ اس کے میں دے کر کبھو شمشیر برہنہ
اک آئینہ دکھاؤ تو بھاگے وہ دو فرسنگ

چار آئینہ گردوں ہو اگر تن پہ عدو کے
آگے تری شمشیر کے ہے بھیڑ کا چورنگ

عرصہ ترے گھوڑے کے جو سرپٹ کا ہے اس میں
پائے فرس باد سحر کرنے لگے لنگ

کچھ برق سی تڑپے ہے پڑی ابر سیہ میں
تیہا جو کہوں سو نہیں رکھتا ہے وہ شب رنگ

جس وقت تبر زین کو رکھ چکے میں اپنے
اس رخسار فلک سیر کا تو آن کے لیے تنگ

آہن کا کہیں گڑھ ہو تو دروازوں پر اس کے
قالب تہی سنتے ہی کریں جتنے ہوں سرہنگ

ہم وزن ترے علم کا ہے وقر ہی تیرا
کھسار تو دونوں میں نہیں ایک کے ہم سنگ

خاطر یہ خلاق کی ہے تجھ کو کہ سوئے باغ
بے رخصت بلبل نہ کرے سیر کا آہنگ

دل تجھ سے ہو میلا کسی طوطی کا یہ کیا دخل
آئینے تلک عہد میں تیرے نہ لگے رنگ

کھینچا ہے زبس سر بہ فلک عدل نے تیرے
میزاں کی طرف دیکھ کر ذرہ نہیں پائنگ

آتش رہے یوں آب میں انصاف سے تیرے
آئینے میں جس شکل ہو عکس رخ گل رنگ

تجھ چشم کی ہے زکس شہلا چمنستاں
پاتا ہوں مروت کے تئیں ان میں بہ صد رنگ

دل بھر نہ گیا شیوہ احسان سے تیرا
خالی ہو گئے در عدن سے جمن و گنگ

پس جو کوئی تجھ سا ہو ثنا اس کی ہو مجھ سے
ہرگز نہ اسے مانو کب مجھ میں ہیں یہ ڈھنگ

جس مرتبے میں تجھ کو سمجھتا ہوں میں ممدوح
یہ مدح تو واں عار ہے مداح سو ہے ننگ

کتنے سخن واقعی میں عرض کئے ہیں
خواہ ان کو گہر سمجھے اب خواہ انہیں سنگ

سودا نہ چل اب آگے کہ یہ جائے ادب ہے
کر قطع سخن کا تو دعائیے پہ آہنگ

قبضے میں ترے قوت شمشیر سے تیری
لے شام سے تا روم رہے روم سے تا زنگ

پرواز ہما جب ہو سوئے اوج سعادت
شہباز کا طالع کے ترے اس پہ رہے چنگ



درمدح نواب شجاع الدولہ بہادر

میں گوہر سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ
تھا ورنہ اس رقم میں کب اس رنگ رنگ ڈھنگ

میزاں جہاں ہو فہم کی واں کس کے شعر کا
پہنچے مرے سخن کے بہ پاسنگ رنگ ڈھنگ

نک دیکھ میرے مصرع صودوں کو تو بہ غور
تج سخن بھی رکھتی ہے کیا رنگ رنگ ڈھنگ

کس کو ہے فن شعر میں مجھ ساتھ ہم سری
قطرہ نہ پاوے پیش لب گنگ رنگ ڈھنگ

بلبل کے زمزمے کا چمن پیچ کیا مجال
پیدا کرے کلاغ بد آہنگ رنگ ڈھنگ

سمجھے ہے مرغ معنی عرش آشاں اسے
رکھتا ہے باز کا جو مرے چنگ رنگ ڈھنگ

نقاش میں تو وہ ہوں سخن کا کہ سیکھتا
شاعر ہو مجھ سے مانی ارژنگ رنگ ڈھنگ

میرا وہ مرتبہ ہے کہ خلقت کے شعر سے
رکھتا ہے شاعری کا مری نگ رنگ ڈھنگ

جس گل زمیں پہ ہوں میں تو اشعار کا مرے
پہنچے ہے واں سے لاکھوں ہی فرنگ رنگ ڈھنگ

اصلاح ہو نہ میری تو اوروں کے شعر کا
جزدان سے نہ نکلے کسی ڈھنگ رنگ ڈھنگ

پیدا کیا ہے معنی بے رنگ خلق نے
کھا کھا مرے ہی خاصے سے سرچنگ رنگ ڈھنگ

کر دوں میں اس زباں کو رواں جس زبان کا
مارا ہوا ازل سے ہو ادھرنگ رنگ ڈھنگ

لقمان شاعروں میں اگر ہو تو شعر کا
یاں سیکھنے کا اس کو ہو آہنگ رنگ ڈھنگ

فیضانِ نفسِ ناطقہ سے میرے دہر میں
پایا سخن نے جوں گل اورنگ رنگ ڈھنگ

جس جا کہ میں لغات فراہم کروں تو واں
ذرہ رکھے نہ صاحبِ فرہنگ رنگ ڈھنگ

آئینہ سخن پہ معانی کی شکل کا
رکتے ہیں جن کے لفظ تہ رنگ رنگ ڈھنگ

زنہار اس سے یہ نہ پھریں ان سے جس طرح
کہہ دے سخن کا وسوسہ بنگ رنگ ڈھنگ

صنعت میں شعر کے غزل بیچ بیت کا
کرتا ہے ان پہ قافیہ کو رنگ رنگ ڈھنگ

مجھ کو نہنگ بحرِ معانی سے کام ہے
سمجھے سخن کا کیا کوئی خرچنگ رنگ ڈھنگ

یعنی شجاع دولہ بہادر کہ فیض کا
پہنچا ہے جس کے لاکھوں ہی فرسنگ رنگ ڈھنگ

کر اس غزل کو غور کہ تیری جناب سے
داد اس کی چاہتا ہے بہ ہر رنگ رنگ ڈھنگ



itsurdu.blogspot.com

دیکھا جو دیر و کعبہ میں

دیکھا جو دیر و کعبہ میں ہم سنگ رنگ ڈھنگ
کچھ ایک سا رکھیں ہیں ہم سنگ رنگ ڈھنگ

کرتا پرسش ان کی جو پاتا انہوں کے بیچ
بار وقار دل کے میں ہم سنگ رنگ ڈھنگ

کیا تجھ لبوں سے لعل کو نسبت کہ ان کی طرح
پہنچا سکے ہے کوئی ہم سنگ رنگ ڈھنگ

ساقی نے بھر کے جام زمرد کو یہ کہا
ہم بادہ اس میں خوب ہے ہم سنگ رنگ ڈھنگ

سودا میں کیا کہوں در و دیوار باغ کا
رکھتا ہے یار بن غم و ہم سنگ رنگ ڈھنگ

پس مجھ کو مغنم ہے کہ میرے سخن کے بیچ
اتنا بھی دہر کا جو رکھے ڈھنگ رنگ ڈھنگ

تیری تو وہ زباں ہے کہ جس پر ہر آن نطق
جوں گستاں رکھے ہے بہ ہر رنگ رنگ ڈھنگ

مرغ تک ہے لے کے عطارد سے چرخ پر
سیف و قلم کا دیکھ ترے دنگ رنگ ڈھنگ

لے کر قلم جو ہاتھ کرے کوہ پر نگاہ
یا قوت کا تو بخشے بہ ہر سنگ رنگ ڈھنگ

جیتا کبھو عدو کے تئیں تیری سیف کا
جانے نہ دے ز دائرہ جنگ رنگ ڈھنگ

اک پیل و اک ٹہنگ ہو اور ہوں دو کر گدن
دیکھ اس کی پھر برش کا بہ چورنگ رنگ ڈھنگ

چنچل یہ بادپا ہے کہ جس کا طویلے بیچ
سیاہ سا ہو کھینچتے میں تنگ رنگ ڈھنگ

جوں حلقہ مہ و شاں کے ہو عارض پہ گر نگاہ
کاوے میں یہ رکھے ہے وہ شب رنگ رنگ ڈھنگ

عاشق کا رنگ بولوں کہ معشوق کی مزاج
جلدی کا اس کے دیکھ کے ہوں رنگ رنگ ڈھنگ

اس کی کماں کا وصف کروں کیا میں اب کہ ہے
مشہور جس کا روم سے تا زنگ رنگ ڈھنگ

تیر اس سے یوں چلے ہے کہ ارجن سے کتنوں کو
کر دے ہے جس کے توڑ کا چت بھنگ رنگ ڈھنگ

مطلع یہ جا حضور پڑھوں گر وقار کا
پیدا کروں میں کوہ کے ہم سنگ رنگ ڈھنگ

مطلع دیگر

دریا کے فیض کا ترا نگ رنگ ڈھنگ
پاویں کہاں ترا جن و گنگ رنگ ڈھنگ

دامن کشاد ابر گہر بار جب کرے
بخشش کا تیری کر دے اسے نگ رنگ ڈھنگ

یہ عدل ہے ترا کہ زمانے میں اب نہیں
فریاد کا بجز جس و زنگ رنگ ڈھنگ



درمدح نواب شجاع الدولہ

درتہنیت فتح روہیلہ

آیا عمل میں تیغ سے تیری وہ کار زار
دیکھا جسے نہ ترک فلک نے بہ روزگار

بے سر ہوئے ہیں آج یہ سرکش کہ گر نہال
خاک ان کی پر ہو تو نہ ثمر لائے شاخسار

سرچنگ اس طرح نہ کھائی سکے تا بہ حشر
مدفون ہوں جس زمیں پہ تو واں اٹھ سکے غبار

آتش غضب کی تو نے یہ ان کے فسرہ کی
تن میں نہیں ہے قطرۂ خوں صورت شرار

نام ان کا تیری تیغ نے معدوم یہ کیا
نے عفو کرے ہے سگ ہی نہ غاں زانگ کوہسار

اک خم تھا دل انہوں کا پر از بادۂ غرور

تیں اس میں کر دیا نمک تنخ آب دار

تھا عزم یہ ہر ایک کا جاویں گے بیٹھ ہم
تیغوں کو کھینچ کھینچ کئے قلعاری مار مار

آئے ہی وہ چنانچہ اسی طرح روز جنگ
پایا تھا جوں دلوں میں خیال ان کے نے قرار

گاتے بجاتے، ناچتے اور کودتے ہوئے
سائے میں جھنڈیوں کے صفیں باندھ بے شمار

وہ جھنڈیاں نظر پڑیں اک دم میں اس طرح
گازر بچھاویں پارچے جوں نہر کے کنار

پر حق بہ جانب ان کے ہی تھا کچھ اس امر میں
تیرے دلاوروں کا نہ دیکھا تھا کار زار

جو غول ان کے سامنے آیا تو سمجھے یہ
اک کھیت رو بہ رو ہے ہمارے پر از خیار

جیسی ہی اس گروہ نے پی تھی شراب کبر

کھینچا ہے اس کے نشے سے ویسا ہی کچھ خمار

اسباب پر حریف کے آپس میں لگتے داؤ
لشکر میں اپنے بیٹھ کے جب کھیتے قمار

حق ناشناس قوم یہ غرہ تھی اس قدر
غارت پہ ہر نبرد کے لیتے تھے سب ادھار

لیکن خدا کے فضل سے یاں ناگرفتہ قرض
جو لائے تھے سو دے گئے رکھا نہ ایک تار

شمشیر و دست و بازو کے ہیں یہ بہت بلی
اپنا تو حرف حق سے گزرنا نہیں شعار

پر وہ جو ہیں غلام غلام اس جناب کے
آگے قدم انہوں کے نہیں ان کا استوار

جرات میں ان کے حرف نہیں پر یہ کیا کریں
صحت نہ دل سے ان کے تہور نے کی برآر

ان میں سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا

میں نے کہا انہوں نے کہ تم جیسے جاں گزار

ایک قوم و یک برادری و یک گروہ کے
ہو سامنے حریف کے بے حد و بے شمار

حافظ کی لاش ڈال گئے معرکے میں تم
فتح و شکست مردوں کو ہے پر یہ اضطراب

ان میں سے ایک نے بہ دم سرد یہ کہا
خواہش خدا کی یوں تھی نہ تھا اپنا اختیار

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں
آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار

تھی سامنے ہمارے جو فوج ہراولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار

سننے ہیں اب ہر ایک سے اس فوج کے یہی
سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار

محبوب اور بسنت و لطافت تھے اک طرف
اک سو تھا میر سید علی مستعد کار

لیکن انہوں کو آدمی کہئے کہ دیو دو
ان کا قدم وفا میں یہ پایا ہم استوار

ایدمر سے بان و رہکمہ و توپ متصل
پڑتی تھی پر وہ بڑھتے ہی آتے تھے سر گزار

بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اس پلے پر جہاں سے جزائر کی ہووے مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

مطلع ثانی

تھیں کرتیاں تملنوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ بگمرگ بار

توپیں جو داغنے تھے فلیتوں سے آن آن

رنجک مثال برق چمکتی تھی بار بار

گجنال مثل رعد کڑکتی تھی دم بہ دم
آواز شترنال تھی طاؤس کی جھنکار

بارود و گولہ توپ میں تھا یا وہ باؤ تھی
جن نے کہ قوم عاد اڑا دی تھی جوں غبار

فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا ان میں کارزار

ہر ایک جا نظر یہی آیا ہر ایک کو
گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے ادھر پڑا سوار

اڑتے تھے یوں پیادے کہ تودے کو روئی کے
نداف کا کمانچہ جوں دے ہے انتشار

تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہم نشین
ساتھ اس کے ہم پیالہ و باہم نوالہ خوار

وہ بھاگے اس طرح کہ یہ کہتی تھی ان کو خلق

بھاگا وہ دیکھو جائے ہے میداں سے کوہسار

نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا ہی نہ جینے کا کچھ بچار

باور ہی کیجو اس کو تو اے یار اس گھڑی
آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اختیار

جیدھر کو جس کا منہ اٹھا اودھر کو وہ چلا
سوچے بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار

ہو یہ غضب تو لاش کا حافظ کے ذکر کیا
پتا سکتے چھوڑ کیا باپ نے فرار

حافظ کی لاش ہم نے نہ اٹھی تو نزد فہم
جاگہ نہیں ہے طعن و تعرض کی ہم پہ یار

لازم نہ تھا اے کہ ہو ایسے کے سامنے
ہمت میں اور کرم میں ہے جو طاق روزگار

لے زر سے تا جواہر و از اسپ تا بہ فیل

جس کے ہم کے آگے نہ رکھے کچھ اعتبار

نے رتبہ زر کو ہے نہ جواہر کو منزلت
نے قدر اسپ کی ہے نہ کچھ فیل کا وقار

خلعت کسی کو اسپ کسی کو کسی کو فیل
بخشے کسی کو لاکھ کسی کو دیے ہزار

حافظ یہ چاہے عہدے سے اس کے بر آؤں میں
پیادے کو دے کے تین روپے نو روپے سوار

کہتے تھے اس کو حافظ زر دوست خلق میں
رکھتا تھا نادہندی میں ایسا وہ اشتہار

کیا کیا میں اس کی نگ دلی کا کروں بیاں
خست کا اس کے کیا کروں اظہار بار بار

حافظ نے سر دیا نہ دیا زر ہوئی ہے یہ
تاریخ اس کے فوت کی کر لے عدد شمار

تاریخ فتح عرض کی سودا نے یوں کہ ہو
یہ فتح نو مبارک نواب نام دار



itsurdu.blogspot.com

درمدح حکیم میر محمد کاظم

علم ظنی ہے طبابت تو یہ سن رکھ ہم دم
متفق اس پہ اطبا ہیں جہاں میں باہم

قاعدہ فن طبابت کا بیاں تجھ سے کروں
فہم کے گوش تو اپنے جو نہ رکھتا ہو اضم

کام اس فن میں بڑا سب سے ہے تشخیص مرض
یہ نہ ہو جس میں تو پھر سیف سمجھ اس کی قلم

فی الحقیقت ہے اطبا میں وہی شخص طبیب
جو کما بینشی ان چیزوں کا ہووے اعلم

جنبش نبض سے اور کون سے قارورے کے
ہووے فی الفور جسے اصل مرض مستقیم

ادویہ میں کرے تنقیح خواص مفرد
ہو وہ ترکیب مرکب کے وزن سے محرم

سن بیمار پہ کر غور مداوا وہ کرے
اور ملحوظ رکھے آب و ہوا و موسم

چار چیزوں سے مرکب بدن انسان ہے
دم و سودا ہے ہر اک جسم میں صفرا بلغم

حد سے ان چاروں میں ہووے متجاوز جو چیز
حکماء کرتے ہیں انسان کی مزاج اس کے صنم

ہے یہ لازم کہ کسل کا سبب ان میں ڈھونڈیں
ٹھہرے جو خلط کریں اس کا تدارک پیہم

بعد تشخیص دوا کیجے مرض کی بالضرر
حفظ صحت کے لیے نسخہ ہو بالمثل رقم

غور اخلاط کی کیفیت و کیت پر
ہو نہ منظور جسے اس کی دوا ہوتی ہے سم

زیادتی چاروں میں جس کی ہو مرض کا موجب
عقل کی رو سے یہ تدبیر ہے اس کی اس دم

رکھ کے منظور طبیعت کی مرض پر قوت
تحقیق کر کے مناسب کریں اس خلط کو کم

قاعدہ یوں ہے پھر آگے ہے شفا اس کے ہاتھ
جس کے ہے قبضہ قدرت میں علاج عالم

سو تو ان باتوں پہ ہے خوض طبیبوں میں کے
اس زمانے میں بجز میر محمد کاظم

خالق اس کے تئیں دنیا میں سلامت رکھے
ایسے انسان خلاق میں بہت ہوتے ہیں کم

شرف اس کو ہے سیادت ہے نہ اس فن کا فخر
اس کا اک گوشہ نشینی میں ہے یہ فیض قلم

حق تعالیٰ نے دیا اپنے کرم ہے اس کے
دست تدبیر میں دامن شفا مستحکم

دفتر عمر طبعی میں بحالی کی سند
ہے وہ نسخہ قلم اس کی جسے کرتی ہے رقم

وصف میں اس کی طبابت کے کسی شاعر کے
فکر عالی سے ہوا مطلع تازہ یہ رقم

مطلع ثانی

نسخہ میر نہیں نقش سے عامل کے کم
گر مرض جن ہو تو اس کا نہ کہیں ٹھہرے قدم

یہ عجب کیا ہے جو احیا وہ کرے موتی کو
نائے میں اس کی قلم کے ہے مسحا کا دم

چلتی ہے عہد میں اس کے رہ ہر شہر و دیار
ہے جو مسدود جہاں میں تو رہ شہر عدم

گھر تک آتے کرے پیدا وہ خواص تریاق
اس کے کوچے سے پڑی باندھ جو لے آئے سم

بولیں ہیں جس کو کہ تشخیص و کہیں ہیں تدبیر
دو کنزیں ہیں گھر اس کے میں یہ بے دام و درم

ہوش اس فن میں تو ہے یہ پہ حواس خمسہ
ہے نصیبوں کے علاج اپنے میں درہم برہم

عہد میں اس کے ہے وہ خوان کرم پر جس کے
ریزہ چیں ہند میں ہے لاکھ طرح کا عالم

اسم پاک اس کا ہے نواب شجاع الدولہ
منع جود و سخا یعنی وزیراعظم



itsurdu.blogspot.com

درصفت تیر اندازی نواب وزیر الملک

احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر
ہے یاں کماں تو حلقہ بہ گوش و غلام تیر

اتنا ہی چست بیٹھے ہے جتنی کماں ہو ست
خوبی کا حق کرے ہے ادا یاں تمام تیر

قربان چاہیے لب معشوق اس پہ ہو
اس دھج سے تجھ کماں کا پڑے ہے دوام تیر

تودے پہ تیرے ہاتھ سے بولے تبھی کہ جب
پہنچے ترے عدو کا اجل کا پیام تیر

پہنچاؤے کس کے ہاتھ سے جز ہاتھ کے ترے
کار صفائے شت بہ ایں انصرام تیر

جوں میل کھینچتا چلے سرمہ بہ چشم مور
ہے تیر کے سوا ترے ایسا کدام تیر

پلہ کرے کہاں کا تری تیر جس جگہ
پہنچے نہ واں قیاس کا با صد مقام تیر

چشم قضا کا حلقہ ہے لاشک تری کہاں
اس چشم کی نگہ کو کہے ہے عوام تیر

پھوٹے ہے تجھ سے یہ کہ نکل کر کمان سے
جس جا زمین کے تودے میں پاوے قیام تیر

کھودا کرے جو واہمہ خلق وہ جگہ
نکلے تو نکلے صبح سے لے تا بہ شام تیر

ہم سر ہے کس کا تیر ترے تیر سے کہ یہ
انگشت ہے قضا کی کہیں ہیں بہ نام تیر

جا تیرے تیر خوردہ کی ہے اس لیے سفر
حربے ہیں تیرے جتنے ہے ان میں امام تیر

تجھ سے چڑ کے صید چھپے گر پہاڑ میں
تو چھان کر پہاڑ کو کر دیوے دام تیر

لے کر کہاں کرے جو تو عزم شکار مرغ
ہر گز رکھے ہوا میں نہ طائر کا نام تیر

اڑتے کہیں نہ دیکھ سکے ملک ہند سے
جز اپنے اک پرند کو تا روم و شام تیر

سودا کی یہ دعا ہے کہ تیری مراد کا
بیٹھا کرے نشانے پہ یارب مدام تیر

درمدح نواب آصف الدولہ بہادر

کیا تجھ کو سچی مسند دیوان وزارت
میں شوکت شاہی کہوں یا شان وزارت

اس مرتبے کی چار قب ان کو ہی پہچے ہے
پشمن سے جو ہوتے ہیں شایان وزارت

دادے سے ترے تجھ تیں تقدیر نے زہار
توڑا نہیں مائین میں بیان وزارت

شاہی پہ مدلل ہے جو مٹشی ازل نے
لکھا ہے ترے واسطے فرمان وزارت

یہ جاہ ہے تیری کہ سدا خسرو خاور
ہے رنگ ترا دیکھ کے سامان وزارت

ہم چشم عطار کو نہ سمجھے کبھو اپنا
تیرا جو اٹھاتا ہو قلم دان وزارت

آصف ہے تیرا نام سلیمان سے بڑی جاہ
بخشیں ہیں کروڑوں ترے ارکان وزارت

دیکھیں جو ترا خرچ سلاطین جہاں کے
لکھیں وزراء میں تجھے سلطان وزارت

سودا کی ترے حق میں دعا ہے یہ شب و روز
اے باعث سربزئی بستان وزارت

سر سے نہ خلاق کے جدا ہووے الہی
تا حشر ترا سایہ دامان وزارت



درمدح نواب آصف الدولہ بہادر

تیرے سائے تلے ہے تو وہ مہنت
پشہ کر جائے دیود سے لڑنت

نام سن پیل کوہ پیکر کے
بہہ چلیں جوئے شیر ہو کر دنت

سحر صولت کے سامنے تیرے
سامری بھول جائے اپنی پڑھنت

تیری ہیبت سے نہ فلک کے تلے
کانپتے ہیں زمیں کے بیچ گزنت

تکلی کی طرح بل نکل جاوے
تیرے آگے جو دو کرے اکزنت

دیکھ میداں میں تجھ کو روز نبرد
منہ پہ راون کے پھول جائے بسنت

مکملک پا اگر سنے تیری
دب کر دم کھک چلے ہنوت

آوے بالفرض سامنے تیرے
روز ہیجا کے سور یا ساوت

تن کا ان کے زرہ میں ہو یوں حال
مرغ کی دام میں ہو جوں پھرکت

شعلہ پیرا اگر ہو تیری تیغ
کاہ سے کوہ تک ہو سب بھسنت

فرق پر جب عدو کے وہ بیٹھے
”زہ“ فلک بولے اور ملک ”احسنت“

گرے تجھ تیر کا جہاں پیکاں
قوت بازو سے ترے سر کنت

ہاتھ سو فار تک نہ پہنچے کبھو
کرے بھر عمر واں کوئی جو کھنت

زہرہ برق آب ہو جاوے
تیرے توسن کی گر سنے کرکنت

وہم آسا ہے اس پری وش کی
شرق سے تا بہ غرب اک ڈپٹ

پیشہ عدل میں ترے ہر موش
سامنے بہر کے رہے چودنت

کوئی کیسا ہی ہو قوی اس سے
نہیں دل کو ضعیف کے دہکت

وہ بھی روباہ جس کو ہو خارشت
سمجھے ہے شیر کو ہے کیا پشمت

حلم کا بار گر نہ ہو تیرا
ارض شکل سا رہے نہ نچنت

دست زر بخش کا ترے خورشید
ڈھونڈے بھر عمر تو نہ پاوے انت

آگے سائل کے تو کرے یہ زمیں
اشرفی اور روپے کی یوں بکھرنے

جلوہ نظروں میں اس طرح وہ دے
جوں فلک پر ہو تاروں کی چھٹکت

ختم سودا دعا پہ کرتا ہے
وصف کا تیرے کون پاوے انت

رہے نواب آصف الدولہ
دل سے تیرے خوشی کو نت لپٹت

حال یوں روسیہ عدو کا ہو
جاہ و دولت کی تیرے دیکھ بڑھنت

مہر کے جوں حمل میں آنے سے
شب کو آفاق میں لگے ہے گھٹنت



درمدح نواب آصف الدولہ بہادر

کیا قلم کو رقم سے ہے منظور
کہ صریر اس کی سے ہے دل کو سرور

نور صبح بہار کاغذ پر
خط خط گل عذار کے دستور

زلف خوبان چیں سے خوبی میں
کھینچے ہر سطر جس کی آپ کو دور

ہے تبسم قلم کے منہ پر شق
قلم اتنی رقم سے ہے سرور

خامہ بیش از گیاه کیا ہے جسے
ہو رقم سے یہ خوش دلی کافور

مگر اس امر بچ کرتا ہے
اس طرف انتقال ذہن و شعور

کہ لکھا چاہتا ہے اس کی مدح
خلق میں جس کا خلق ہے مشہور

یعنی نواب آصف الدولہ
ہو سلیمان پنچ کے جس تک مور

ہے تو اس بخش ناتواں کا وہ
شاہد اس کا ہے متفق جمہور

پیل لے جائے پیل کو پشہ
اس کے آگے کریں جو باہم زور

شعلہ پیرا ہو جس دم اس کی تیغ
ہووے خاک سیہ عدم میں فتور

اس کی برش کا وصف کیا میں کروں
سخت اور نرم پر بہ ایں دستور

سخت پر جیسے تار صابن میں
نرم پر جوں ہوا میں بال طیور

یاد میں اس کے باندھے جو کمر
رن سے پھرے مظفر و منصور

مدح غائب سے دل ہے اپنا تنگ
ہو تک اے خامہ باریاب حضور

وہ جو تیری کہاں کی سیر ہے
کس کو اس کے اٹھانے کا مقدور

یاد میں جس کے تیرے آوے
کوہ نظروں میں خانہ زنبور

وصف شوخی میں باد پا کے ترے
کرتی ہے اب زبان برق قصور

ہے فرس کس کے زیر راں ایسا
جس کی جلدی کا ہووے یوں مذکور

کر دے پل میں تمام روئے زمیں
سینہ باز نقش نعل ستور

اکڑ ایسی ہے تیرے ہاتھی میں
جس کا پروردہ نمک ہے غرور

دیکھ اس پر تجھے یہ بولے خلق
ہے تجلی حق بہ کوہ طور

فتنے کا مہر میں نق سے ترے
کون ہووے مد کیا مقدور

خس و آتش ہو جس جگہ وال سے
راہ چپ کردہ جائے باد سحر

ٹانک دے عدل دیدہ شاہیں
بھر نظر دیکھے گر سوئے عصفور

گر ہو آتش پہ تجھ غضب کی نگہ
ہو حرارت کا اس میں تو یہ وفور

زندگی کے لیے سمندر بھی
چاہے مسکن بہ معدن کافور

تیرے فیض نگاہ کو پرکاہ
پہنچ کر چاہیے نہ ہو مغرور

کوہ ہو جائے شکل شیشے کے
گر کے نظروں سے تیری چکنا چور

تو وہ دریائے فیض ہے جس سے
واہمہ کر سکے کبھو نہ عبور

تیری بخشش ہے یہ کہ گوہر سے
جوں صدف مشت خلق ہے معمور

مطلب اس نظم سے ترے آگے
کچھ خوشامد نہیں مجھے منظور

بس کہ ہے لائق ثنا یہ جناب
مدح کرنی ہوئی مجھے بھی ضرور

میری ہی اعتقاد ہے یہ مدح
ورنہ رتبہ ترا ہے اتنا دور

کہ جو چاہے خیال واں تک جائے
پہنچنے کا اسے کہاں مقدور

کہکشاں خامہ آسماں کاغذ
ہو مرکب اگر شب دیبجور

اتنے ساماں پہ ترے سب اوصاف
آویں تحریر میں یہ کیا مذکور

ختم سودا کرے سخن بہ دعا
آئیں سب بولیں بندگان حضور

فضل سے حق کے تو بہ حشمت و جاہ
رہے تا حشر خرم و مسرور



درمدح نواب آصف الدولہ بہادر

گر فلک اب یہ مہرباں ہووے
جوں نگرگ ابر در فشاں ہووے

دغل کیا ہے کہ اس کے چنے کا
کسی انسان پر گماں ہووے

خلق کو اس قدر ہے استغنا
نہیں ممکن کہ وہ بیاں ہووے

رہو آگے اگر پڑا ہو گھر
دور ٹھوکر سے کر رواں ہووے

کبھو دیکھا نہ یوں کہ زر بے قدر
اس قدر زیر آسماں ہووے

رہ نوردوں کی نظروں میں اکیر
بدتر از گرد کارواں ہووے

در گنجینہ پر نہیں اب رسم
کنجی اور قفل و پاساں ہووے

متمول یہ خلق ہے جس کے
قاصر اب کہنے میں زباں ہووے

جو گدا روز و شب کہ سائل تھا
چاہیے رشک خسرواں ہووے

در و دروازہ یوں ہے اب کس کا
کہ نہ واں پیل باں ہووے

کون ہے جس کے تازی و کچی
نہ پھرکتا بہ زیر راں ہووے

نہیں بر میں کسی کے اب وہ لباس
کہ نہ قیمت میں جو گراں ہووے

نہ کوئی باندھے جب تلک ہتھیار
نہ طلائیہ نہ تہ نشاں ہووے

خوان نعت نہیں ہے ایک کا یوں
جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے

عیش و عشرت سے ہے سدا دم ساز
پیر ہو یا کوئی جواں ہووے

ہے جو کچھ جس کئے ہے اس کی عطا
آصف الدولہ اور جہاں ہووے

دیکھ کر جس کو خلق بولے ہے
تو ہو اور عمر جادواں ہووے

پرورش کس کو یوں ضعیفوں کی
تجھ سوا زیر آسماں ہووے

در دولت سرا تلک تیرے
پہنچے پشہ تو پہلواں ہووے

کم بغل جو نظر پڑے تیری
وہ بہ ذیل تو نگراں ہووے

ہے خلا تو محال ہی یہ سخن
حکما کا غلط کہاں ہووے

سب جگہ ہے ملا مگر خالی
تیری بخشش سے بحر و کاں ہووے

کیں سے گردوں کے عمر بھر رہے دور
جس پہ اک دم تو مہرباں ہووے

چیز بے قدر کو جو دے تو قدر
قدر دانوں میں ارمغان ہووے

کیا عجب ہے تری مروت کا
جس جگہ ذکر اور بیاں ہووے

لعل و یاقوت کی طرح اس جا
آب آتش کے تن میں جاں ہووے

دہر میں حسن خلق سے تیرے
خلق رطب اللساں جہاں ہووے

بو سے مذکور خلق کے فی الفور
دہن خلق عطر داں ہووے

جا سے بے جا ترے قلم رو میں
کب توانا سے ناتواں ہووے

ذره خاک کی حفاظت کو
باد تند آ کے پاسباں ہووے

سنگ اس عہد میں ہو واں پانی
شیشہ گر کی جہاں دکان ہووے

آگے تجھ تنغ کے عدو کا اگر
دل پہاڑ آہن استخوان ہووے

کاٹ اس کا سپہ گری اس کی
روز میدان سب امتحاں ہووے

کوئی اس کا نہ ہو جو رونے کو
دیدہ زخم خوں چکاں ہووے

تیر تیرا نگاہ چشم قضا
اس کو دیدار دشمنان ہووے

باد پیا ترا تعالٰی اللہ
جلوہ گر آ کے وہ جہاں ہووے

زیر راں دیکھ کر تڑپ اس کی
خلق کا اس پہ یوں گماں ہووے

کیا عجب ہے کہ برق کا شعلہ
اس کے تہے کے درمیاں ہووے

صرصر اس کے قدم کو پھر نہ لگے
نک کشاد اس کی گر عنایں ہووے

جہد کرنے کا دل میں ہو جو خیال
مجھ سے آگے تو کیا بیاں ہووے

اس جگہ تک جہاں میں جس کا بعد
دور از وہم انس و جاں ہووے

لاکھ بار ایک پل کے عرصے میں
پہنچے جس جا سے پھر یہ واں ہووے

فوج کا تیری کر سکے نہ شمار
گو عطارد حساب داں ہووے

کثرت اس کی سے جب تو ہووے سوار
بس کہ پر گرد آسماں ہووے

آنکھیں مل مل یہ مہر ہو بے نور
جیسے شیشہ بہ تابداں ہووے

دود ہو یہ بلند توپوں کا
آتش انگیز جب دہاں ہووے

سقف حمام جس طرح بچے
قطرہ زن چشم اختراں ہووے

ان کی آواز سے بہ دشت و کوہ
زلزلہ یہ جہاں تہاں ہووے

بہ کف دست جس طرح سیلاب
حالت کوہ یوں عیاں ہووے

دی ہے جو حق نے تجھ کو حشمت و جاہ
فہم واں تک رسا کہاں ہووے

تیرے نیچے کی ایک ہو جو طناب
نصف اس کے نہ کہکشاں ہووے

بچے اس بارگہ میں جب مسند
رنگ صد تخت خسرواں ہووے

قالیں اس کی ہر ایک پا انداز
بہتر از باگ و بوستاں ہووے

دیکھئے تب تجھے کہ تو جس دم
بیٹھ کر اس پہ حکمراں ہووے

اور سر کردہ جتنے ہیں ان میں
کوئی نواب کوئی خاں ہووے

دست بستہ مطیع فرماں کا
روبرو زیر سائباں ہووے

تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح
اور سودا سا مدح خواں ہووے

نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی
اس کے ہر بار بر زباں ہووے

اب دعا وہ کروں سن کے جسے
”آمین“ آمین بہ حاضراں ہووے

شادی و عیش و خرمی ہر روز
آ کے تجھ دل سے تواماں ہووے

جاہ و دولت کا تیری تا بہ ابد
حق تعالیٰ نگاہ باں ہووے



درمدج نواب آصف الدولہ بہادر

سودا پہ جب جنوں نے کیا خواب و خور حرام
لائے گھر اس طبیب کئے ہے عقل جس کا نام

احوال اس کا دیکھ کے کہنے لگا طبیب
اب فصد و مسہل اس کے لیے ہے مفید تام

کہنے لگا سن اس کو وہ دیوانہ در جواب
مجھ میں لہو کہاں یہ ترا ہے خیال خام

جو کچھ کہ میرے تن میں لہو تھا سو اب کے سال
عالم نے خیر آباد کے پی کر کیا تمام

مسہل طلب کرے ہے غذا کی زیادتی
مجھ کو سو ماہ عید بھی گزرا مہ صیام

کیا سود اس علاج سے کہہ اس کے ماسوا
تا اپنی میں دوا کروں اب کر کے قرض و وام

تب ان نے یوں کہا کہ بتاؤں میں وہ علاج
اس درد سے تو پا کے شفا تا ہو شاد کام

اس کے حضور عرض یہ کر جس کے سائے میں
مور ضعیف فیل سے لے اپنا انتقام

سنتے ہی یہ نوید قصیدہ برائے نذر
لے کر اب اس جناب میں حاضر ہوا غلام

مطلع بنانی

اے وہ کہ تیرے عدل کی نسبت بہ خاص و عام
نوشیرواں پہ عدل کا گویا ہے اتہام

دیتا ہے تیرے عصر میں اے عادل زماں
زخم جگر کو سودۃ الماس التیام

کیا کیا ہی خوبیوں سے کیا حق نے تجھ کو خلق
ابنائے روزگار کے اے فخر و احترام

مذکور حلم کا میں کروں یا بیان خلق

یا میں تیری شجاعت و ہمت سے اب کلام

تیرا ہی بارِ حلم ہے اے صاحبِ وقار
کشتیِ خاکِ داں کا جو پانی پہ ہے قیام

آوے نسیم اگر چمنِ خلق سے ترے
خوش بو جہانیوں کا ابد تک رہے مشام

تجھ نعرۂ غضب کی یہ صولت ہے گر سنیں
فیصل ہوں بر و بحر کے باشندگاں تمام

زہرہ ہو آبِ سینے میں ہیبت سے شیر کا
تڑپے نہنگِ پیاس سے ماہی ہو جوں بہ بام

اشمع تو اس قدر ہے کہ میداں میں روزِ جنگ
کیا تابِ روبرو ہوں ترے رستم اور سام

قالب تہی کریں وہ قلم اس کی دیکھ کر
تصویرِ تیری تنغ کی کھینچے جو بے نیام

تنغِ سخا بھی ایسی ہے جس سے بہ ملکِ دل

پاتے ہیں گڑھ غموں کے بہ یک ساعت انہدام

سائل کے گھر میں کب تری بخشش سا سکے
تا اس کے گھر کا تا بہ فلک ہو نہ پشت بام

باغ جہاں میں آج تو وہ نخل سبز ہے
پہنچے ہے چار فصل شر تجھ سے روم و شام

تیرا ہی اب بہ روئے زمیں اے فلک جناب
بے قفل و بے کلید در فیض ہے مدام

پیدا خواص سائے میں اس کے ہما کا ہو
تجھ مزرع کرم سے چنے دانہ گر حمام

میں رخس بادپا کی ترے شکل کیا کہوں
بچہ تو حور کا ہے ولکین فرس بہ نام

اٹھتے غبار سم سے نہ دیکھا کہ جب عناں
اچکی جو قاش زیں سے زیں پر لگا نہ گام

پہنچا نہ اس کا سایہ بھی اس کے قدم تک

تا اس کی تو نے رو میں عناں کو لیا نہ تھام

اعدائے بد حضال کی تنبیہ کے لیے
اس برق و ش کی پشت پہ تیرا ہو جب قیام

ہو طر قوا کناں ترے اقبال پیش پیش
نصرت کرے جلو تری اور فتح اہتمام

کچھ کم نہیں جہاں میں سلیمان سے تیری جاہ
گو النہ پہ آصف دولہ ہے تیرا نام

تو وہ وزیر ہند کہ حیران ہو رہیں
شاہان عصر دیکھ کے تیرا یہ احتشام

مطبخ کا ایک خرچ ترے گر بیاں کروں
اس ذکر کو کفاف نہ ہو صد زیاں بہ کام

فیض اس کا اس قدر ہے جو اس کے ہیں ریزہ چیں
خوان کرم پہ اپنے وہ دیں ہیں صلائے عام

رتبہ ترا ہے وہ جو کرے قصد ادھر کو وہم

پہنچے نہ ماندگی سے بہ یک کوچ و دو مقام

ذره کرے ہے خاک کا اس کے فلک پہ ناز
جس گل زمیں پہ سیر میں کرتا ہے تو خرام

تجھ سے کوئی مدح و ثنا مجھ سے ہو سکے؟
میں کیا ہوں کیا زباں مری اور کیا مرا کلام

اس نظم سے غرض ہے مجھے عرض مدعا
مقصد مرا قلیل ہے پہنچے بہ انصرام

اپنی تری جناب میں اتنی ہی عرض ہے
کس کس کا ملتجی ہوں کہا کر ترا غلام

مت رکھ روا یہ مجھ پہ کہ عمال کے تئیں
تیری سلامتی میں کروں مجرا و سلام

انصاف ہے کہ ہو وہ عطا اس جناب کی
اور ان کی میں سماجت و منت کروں مدام

دیہات جو ہیں مصرف مطبخ کے ان میں سے
اس نقدی کے عوض ہو مجھے صحتک طعام

اے گنج بخش خلق مرا ہے جو مدعا
کرنا روا حضور ترے کس قدر ہے کام

سودا بس اب خموش کہ جائے ادب ہے یہ
اس نظم کا تو کر بہ دعائیہ اختتام

تابندہ جب تلک بہ فلک ہوویں مہر و ماہ
تا جلوہ گر رہیں بہ جہاں صبح اور شام

دنیا ہو اور تو ہو الہی بہ خرمی
تیرے نصیب جام ے عیش ہو مدام



درمدح سرافراز الدولہ مرزا حسن رضا خان بہادر

صبح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرہ عام
حلال دختر رز بے نکاح و روزہ حرام

پھرے ہے آج بہ مقصود بادہ خواراں چرخ
ہے اب بہ روئے زمیں دور دور ساقی و جام

بہ عیش گاہ جہاں جوش خرمی نے آج
کئے بدل بہ اباحت منائی کے احکام

معافہ بہ جہاں آج مے پرستوں سے
کرے ہے محتب آ کر بہ انبساط تمام

نشے نے مے کے یہ سرخوش کیا کہ کاغذ باد
خیال بادہ کشاں میں ہے قاضی کا اعلام

سرور ہے یہ جہاں میں کہ شیخ و زہد و رند
بہ ترہات و ظرافت بہم کریں ہیں کلام

وہ اس کو غنچہ گل سمجھے ہے جو زاہد کے
دھرا ہو سامنے مینائے بادۂ گل قام

یوں آج ہیں بہم اطفال و مکتبی ملا
کہ جوں رعایا پہ عامل تغیر کا احکام

نہ دل میں یاد سبق ہے نہ خطرہ آخوند
بہم ہر ایک ہے مشغول لعبت اقسام

ہر ایک گھر میں صدائے مغنی و مطرب
ز شام تا بہ سحر اور سحر سے لے تا شام

دلوں میں سب کے خوشی نے جگہ کی اتنی آج
عدم سوا کہیں اندوہ کو رہا نہ مقام

ہیں عطر مال پہن کر لباس رنگا رنگ
زبس کہ خاص سے لے کر جہاں میں تا بہ عوام

نظر میں گل کی طرح یک دگر ہیں اہل زمیں
زمیں تمام چمن زیر چرخ نیلی قام

ہر ایک دست نگاریں میں یوں ہے رنگ خدا
شفق میں پنچہ خورشید جوں قریب بہ شام

کچھ آج اور ہی ہو ہے دماغ خلقت میں
ز عطر خرمی از بس کہ پر ہوئے ہیں مشام

فقط نہ شہ کے ہی سر ہے تالوے دہیم
رکھی گدا نے کلمہ تاج رکھ کے اس کا نام

ہر ایک چلنے کا ہے عید گاہ کے مصروف
پہن لباس نو آقا لباس شستہ غلام

جدھر کو سنئے ہے آواز شادیانہ عید
جدھر کو دیکھئے طفل و دہل بہ ہر در و بام

خوشی نے جوش یہ مارا ہر ایک دل میں کہ اب
نہیں قبا میں سماتا ہے خلق کا اندام

عجب نہیں ہے کہ بالیدہ وہ بھی ہو جاوے
کریں جو کندہ نگہیں پر کسو بشر کا نام

نہ دیکھی ہو گی خوشی ایسی خلق نے جب سے
ہلال عید کو دیکھے ہے بعد ماہ صیام

اسی کے عہد مبارک کا ہے مگر یہ سبب
جس افتخار جہاں کا حسن رضا خاں نام

زہے وہ خان رفیع المکان عالی قدر
زہے وہ خان فلک مرتبت ذوی الاکرام

کہ جس کی ذات فیوضات سے کہاتی ہے
جہاں میں صاحب فرزند مادر ایام

پہنچ کے ہو در دولت سرا تلک اس کے
وہ کامیاب جو ہو سرنوشت کا ناکام

جو وہ کیا نہ کرے دست گیری نجبا
قدم کا ایک کے اس سرزمین میں ہو نہ قیام

ہے چشم کان مروت دل اس کا معدن مہر
ذخائر کرم و جود دست فیض مدام

ہے خلق واسطے خلقت کے اس سے گویا خلق
حیا و شرم ہوئی ختم اس پہ حلم تمام

وہ اس کا خوان نعم ہے کہ جس کے مطبخ میں
صدا کھڑکنے کی ہے دیگ کے صلائے عام

یہ قصد خامہ ہے اب اسکی مدح غائب سے
کرے یہ مطلع انور حضور میں ارقام

مطلع ثانی

ترا وہ عدل ہے اے مجاہد تمام انام
کہ باز بچہ نکالے ہے سے کہ ختم جام

کرے نظر جو سوئے صید عہد میں تیرے
ہو کور دیدہ صیاد شکل دیدہ دام

بہ روز جمعہ سدا ہاتھ لے کے ناخن گیر
پھرے ہے شیر کو پیشے میں ڈھونڈتا حجام

اسی امید پہ تا قصر کر کے ناخن شیر
برائے بیکل اطفال دے کے لے انعام

بیاں ہو کب تلک انصاف و عدل کا تیرے
یہ معدلت کا ترے حرز سے ہے پہنچا کام

کہ تار و پود سے اس کے ہی دیوے ہے لڑکا
بجرم خون گس عتکوت کو ایام

سنا میں حاتم طائی کو تجھ سے نسبت کیا
مرے سخن کو یقین کر وہ ہے زبان زد عام

بہ زیر سقف فلک شہرہ سنا اس کا
طنین پشہ صدا فیل کی ہے در حمام

تری وہ تیغ کہ فتنے کا رو ہو سوئے عدم
سنے جو چوکتے اس کو بہ خواب گاہ نیام

اگر وہ ہووے علم اس کے سائے کے آگے
عجب نہیں سپر افگن ہوں آ کے رستم و سام

جو تیرے تیر کے ہوتا وہ توڑ سے آگے
کماں کے گوشے سے آتا ترے کھنچا بہرام

کروں میں وصف سپر کیا کہ تیری پشت پناہ
علی بہ ہر صف میداں ہے جس کا تو ہے غلام

ترا سمند سبک رو ہے اس قدر کہ نہیں
بغیر خانہ زیں اس کے خانہ آرام

نہ پہنچے موج ہوا اس کے لطف و خوبی کو
سوار ہو کے جو ہانکے تو ایسا یا گام

حضور اس کے کڑک برق کی بھرے پانی
عناں اچک کے اسے جب کرے تو گرم خرام

ثنا میں ہاتھی کے تیرے کہا تو ہے یہ سخن
کہ مارتا ہے وہ پہلو بہ چرخ نیلی قام

پر اپنی بات کی کرتا ہوں آپ ہی تکذیب
خدا نہ کردہ جو یوں ہو بہت ہے کہنے یہ بام

ہے عکس اس کے کلاوے کا کہکشاں بہ فلک
نظر جو آئے ہے اہل جہاں کو بعد از شام

رگڑ پہ رکھتی ہے رنجیر پا کہ چلتے وقت
درا پہاڑ میں ہو مور ہو نہ بے آرام

کرہ زمیں کا طرح آسمان کے پھرتا
پر اس کے عظمت بھوناس نے رکھا ہے تھام

زمانے کو ہے زبس دوستی تری منظور
یہ فکر قتل میں دشمن کے تیرے ہے وہ مدام

کہ لیوے چچہ چوبی سے کار کفچہ مار
اگر تو خلق سے شربت کا دے عدو کو جام

ترے مخالف مذہب ہوں کیسے ہے عابد
نہ سمجھو کہ انہوں کا بخیر ہو انجام

خدا کو ان کی عبادت سے ہے یہی منظور
ثواب روز جزا اس کا آوے تیرے کام

ہے اس قدر ترا آلودگی سے دامن پاک
کریں طواف حرم اس کو باندھ کر احرام

یقین ہے یہ کہ وہ کہے تیں کہ نزد خدا
نہیں جو دوست تر ہے وہ دشمن اسلام

پس اب جہاں میں کوئی ہو جو تجھ سے کا بدخواہ
ہے زہر مرگ حلال اس کو شہد زیت حرام

ہمیشہ حق کی طرف سے وہ مورد لعنت
زبان خلق سے دائم ہے مورد دشنام

عروس دولت دنیا نے کار خیر اپنا
کیا ہے تجھ پہ ہو عاشق بہ اشتیاق تمام

اگر ہزار طلاق اس کو دیوے تو لیکن
نہ جاوے گی ترے در سے یہ تا بہ روز قیام

غرض کہ اس لیے تیری یہ میں نہیں کی مدح
کہ چاہوں تجھ سے میں اس کے صلے میں درہم و دام

عوض میں اس کے صلے کے کروں میں تجھ سے عرض
قبول ہو جو مرا حرف اے ذوی الاکرام

مجھے تو گوشہ خاطر میں اپنے دے جاگہ
کہ تا بسر کروں لیل و نہار با آرام

کرے ہے ختم دعائے پر سخن سودا
ادب سے دور ہے خدمت میں تیری طول کلام

الہی باغ جہاں میں ہو جب تلک مانا
شبیبہ غنچہ صراحی سے شکل گل کی بہ جام

مئے سرور تجھے دے ہر ایک عید کے دن
طرف سے ساقی کوثر کے ساقی گل قام



درمدج سرافراز الدولہ مرزا حسن رضا خان بہادر

عزیز عقل کو سودا کی تھی جدائی شاق
سو اس کئے وہ پھر آیا ہے بس کہ تھا مشتاق

وہ پوچھتا ہے کیا تو نے کہہ تو کیا حاصل
بہ اتفاق جنوں کر کے یار مجھ سے نفاق

یہی نہ تجھ کو ملا نفع اس کی صحبت سے
کہیں ہیں سب تجھے دیوانہ زبیر کہنہ اوراق

مگر ثنا میں وجیہوں کے شعر لکھ لکھ کر
بہ رنگ نامے کے اپنے یہ کئے اوراق

ملی نہ دولت دیں اس سے تجھ کو نے دنیا
ہوا بہ روئے زمیں گو تو شرہ آفاق

اسی ہی وضع سے پیدا جو تو نے کی شاید
کیا ہے مادر گیتی نے سب میں تجھ کو عاق

جواب دے ہے یہ سودا کہ وضع پر میری
سخن ترے کا نہیں ہے کو طرح مصداق

جو کچھ کہ دولت دنیا تھی میرے حصے کی
ازل سے منشی دہر اس پہ لکھا گیا ہے طلاق

میں از قبیل جواہر ہوں یار زیر فلک
ولیک سختی طالع ہے میری سنگ سماق

کروں ہوں کشت میں جس گل زمیں پہ تخم امید
تو چرخ نیلوفر کو ہے سبز کرنا شاق

کہا یہ سن کے اسے پیر عقل نے ”اے یار
اگر زمانے کو اس طرح سے ہے تجھ سے نفاق

میں ایک بات کہوں تجھ سے کر عمل اس پر
سب حجاب کے دل پر نہ ہو جو تیرے شاق

دلوں کے درد کا سامع حسن رضا خاں ہے
جہاں میں اہل جہاں جس کے مورد اشفاق

چنانچہ تجھ سے بہ تعلیم پیر عقل یہ عرض
زباں پہ ہے مرے سن اے یگانہ آفاق

دیا ہے قوت اعضا نے دل کو میرے جواب
سب ضعیفی کے طاقت ہوئی ہے میری طاق

سپہ گری میں تو گزرا شباب کا عالم
نہیں وہ عمر کہ اب آؤں میں بہ کار یساق

جو باندھوں اس پہ کمر اب تو بندھتی ہے اس طرح
کہ جوں کمان کا قبضہ بندھے مقابل فاق

جو دست و پا میں نہ اس کام کی رہی طاقت
لیا میں فن سخن کھول کر کمر سے یراق

سو اب میں تیغ زباں سے لڑوں ہوں بخت کے ساتھ
ہوں فتح یاب مدد کی جو ہووے تیرے وفاق

سلامتی میں تو اپنی روا نہ رکھ مجھ پر
ذلیل و خوار رہوں میں بہ چشم اہل نفاق

پھرا کروں میں لیے مشت استخوان اپنے
میانے میں بے عمل زیر کہنہ اوراق

سو اب تو اس سے بھی نوبت گزر گئی ہے مگر
گلے میں کرتہ بہ پا کفش ہاتھ میں ہو پچاق

سپرد تجھ کو ہی سر رشتہ سب کی حرمت کا
کیا ہے ان نے وہ مخلوق کا ہے جو خلاق

سو طالب اتنی میں حرمت کا اب نہیں جس سے
کروں معاش بسر اپنا میں بہ طم و طراق

عوض میں دے مجھے اس نقدی کے تو ایسا گاؤں
بسر ہو عمر مری جس سے زیر کہنہ رواق

نہ ایسا گاؤں کہ جس سے بہ روئے دستر خواں
ہزار طرح کی نعمت ہو با نمشک و رقاق

نہ شکل نور علی خاں ہوں کھا کے میں فرہ
نہ سوکھ کر ہوں طرح میراز رفیع کے قاق

بہ نان و دال میں سازش کر، ایک گوشے میں
مدام مدح میں تیری لکھا کروں اوراق

دعا پہ ختم کرے ہے یہ عرضی منظوم
ہے اس زمانے میں سودا جو فن شعر میں طاق

ترا قیام حکومت رہے قیامت تک
مطع، خلق کو تیرا سدا رکھے خلاق

کروڑ عید کی شادی نصیب ہو تیرے
ہمیشہ نذر تجھے دیویں ساکن آفاق

بسر کرے جو ترا دوست ہو بہ عشرت و عیش
عدو ترا ہو زمانے کا مورد شلاق



درمدح ممتاز الدولہ رچرڈ جانسن

دیکھا نہ جائے اس سے روے گل رھاں پہ رنگ
غنچے کے بھی دہن ہے سے چشم زمانہ نگ

شیشہ نے توڑے شہ کے مئے عیش کا فقط
کاسے پہ بھی گدا کے یہ وارد کرے ہے سنگ

گر خاک سے اٹھا کے یہ دیوے کسی کو اوج
سو یوں کہ جیسے چیونٹی کو پردے ہے یہ کدھنگ

اس کے حسد کی تلخی کا اب کیا کروں بیاں
پہنچے جو شہد لب تیں کر دے اسے شرنگ

مشت صدف میں قطرے کو کرتا ہے یہ گھر
جویا کو بھیجے اس کے سوئے کدھنگ

جو ولولہ ہے اس کا سو فتنہ ہے اس کے ساتھ
خالی نہیں فساد سئے اس کی جو ہے ترنگ

پہنچانے یہ کرے نہ فلک تک کسی کو دیر
اور اس کو کچھ پکتے زمیں پر نہیں درنگ

ہے یہ زمانہ اور جو اہل زمانہ ہیں
ان کا جہاں میں چشم مروت کا ہے یہ رنگ

مفلس پدر ہو اور پدر جس کا ہو غنی
بیٹے کو باپ کی ولدیت سے آئے نگ

پس اب کوئی کسو سے رکھے کس طرح امید
بیٹے کا باپ سے ہو زمانے میں جب یہ ڈھنگ

ہے اب مگر وہ ایک کہ جس کا یہ ہے خطاب
ممتاز دولہ فخر جہان و حسام جنگ

پا جائے شکل مہر نگہ اس کی سے جلا
سینے پہ آئینے کے اگر چھا رہا ہے زنگ

جوہر سے گو کہ چار ہی عنصر کے سب ہیں خلق
جلوے کو اس کے دیکھ ہیں جوہر شناس دنگ

دل، مدح غائبانہ سے حاصل نہیں سرور
مت کر حضور جا کے ثنا کرنے میں درنگ

مطلع ثانی

تیری وہ ذات گو تو نہیں ہے شہ فرنگ
کرسی میں تیری پایہ اورنگ کا ہے ڈھنگ

باعث یہ تیرے دست کرم کا ہے دہر میں
خالی جو درے لے کر جمن سے ہیں تا بہ گنگ

خوں میں عدد کئے تیغ کی تیرے شادوری
ہے اس طرح کہ بحر میں پیرے ہے جوں نہنگ

سائے تلے سپر کے تری جس کو ہو پناہ
اودھر نہ رو کمان فلک کا کرے خدنگ

سرعت یہ بادپا کی ترے جس کے سامنے
موج ہوا ہے اسپ ہوا کے قدم میں لنگ

تو وہ خلق لذت شہد آئے کام میں
چکھے بیان خلق میں تیرے اگر شرنگ

شائق کے جائے پر بن مؤ چشم ہو اگر
تب اس کے دل سے نکلے ترے دید کی امنگ

دور از ادب ہے طول سخن اس کے اب عوض
سودا نکال دل کی دعائے سے امنگ

یارب تمام دوست رہیں تجھ سے فیض یاب
جاری ہے جب تلک کہ جہاں بچ آب گنگ



itsurdu.blogspot.com

دراہجواسپ

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں دست عناں کا بہ یک قرار

جن کے طویلے بچ، کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

تہا ولے نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست نے اکثروں سے اٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دناست کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نے دانہ و نہ کاہ و نہ تیار و نے سکیں
رکھتا ہے جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار

ناطقتی کو اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبے کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے ”مجھے کب کرو گے یاد؟“
”امیدوار ہم بھی ہیں“ کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط سے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

خط شعاع کو وہ سمجھ دستہ گیاه
ہر دن زمیں پہ آپ کو چکے ہے بار بار

بکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکے کو آنکھیں موند کے دیتا ہے وہ پسا

دیکھے ہے جب وہ توڑہ اور تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کنویں ٹاپیں مار مار

فاقوں سے ہنہانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پاوے ہے بار بار

ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باؤ سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

نے استخاں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار

پیدا ہوئی ہے تسپہ اگن باؤ اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زہنہار

گزرے وہ جس طرف سے کبھو اس طرف نسف
باد سموم هووے وٲیں گر کرے گزار

سمبھا نه جاوے فف كه وه ابلق هف فا سرنگ
خارشت سے زبس كه هف مجروح بے شمار

هر زخم پر زبس كه بهنقتي هفن كلففا
كهتے هفن اس كے رنگ كو گفس اس اعتبار

فف حال اس كا دكفہ غرض فوف كهے هف خلق
چنگل سے موذف كے تو چھڑا اس كو كردگار

لے جاوفن چور فا مرے فا هو سكلفن فف گم
اس تفن بات سے كوئف بهف هووے آشكار

تنها نه اس كے غم سے هف دل ننگ ننگ زفن
خوگفر كا بهف سفنہ جو دكفا تو هف فگار

القصف افك دن مجھے كفف كام تھا ضرور
آفا فف دل مفں جافے گهوڑے پہ هو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضا راہ وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کئے وہ اسپ نابکار

خدمت میں ان کے میں نے کیا جا کے التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انہوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں ٹار

لیکن کسو کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار

صورت کا جس کے دیکھنا گورخر کو نگ
سیرت سے جس کے نت ہے سنگ خشمگین کو عار

بد رنگ جیسے لید ہے بدبو ہے جوں پیشاب
بد یمن یہ کہ اصطبل اوچڑ کرے ہزار

مانند میخ چو کے لکد زن تھان پر
لاجب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار

حشری ہے اس قدر کہ بہ حشر اس کی پشت پر
دجال اپنے منہ کو سیہ کر کے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اڑ گئے ہیں دانت
جڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اس کا سن
پہلے وہ کے کے ریگ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا منگا کے تیغ بناوے کوئی لوہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلنے وقت کار زار

مانند اس خانہ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیانے کو چلا اس پہ ہو سوار

بزے سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سے ہوا شاخ باردار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخونیت کے درجے سے کر اس طرف گزار

مٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اک اور دن کی حقیقت کہوں میں یار

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ہے وقت کار

مدت سے کوڑیوں کو اڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میدان میں کار زار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
تھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑی تھی منہ میں باگ
حلق سے پاشنے کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے تو بڑھ اسے دکھلاوے تھا سکیں
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو بہ راہ
ہلتا نہ تھا زمین سے مانند کوہسار

اس مضمکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہننے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اس کی شکل دیکھ
تیغ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل غار

کہتا تھا کوئی ہے ہر کوئی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ”ہو گا ولایت کا یہ حمار“

پوچھے تھا کوئی مجھ سے ”ہوا تجھ سے کیا گناہ؟
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار؟“

کہنے لگا پھر آ کے اس اجماع میں کوئی
مرکب نہ گدھا نہ یہ راکب گنہگار

سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار

اس مخمضے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور
فتنے کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دو چار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار

ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار

دریائے کنکشن ہوا اس آن موج زن
تھا عنقریب ڈوبے خفت بہ یک کنار

بد پشی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے بیچ
مو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
دوں گا لگا تجھے میں ہے نوچندہ اتوار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اس کے گرد پیش
ساتھ اس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

اس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر
کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب
کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اس وقت مستجاب
واں سے بہ ہر غلط کیا جنگاہ تک گزار

دست دعا اٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الہی میں یوں پکار

پہلی ہی گولی چھوٹے اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے نہ تیر کہ ہووے نہ تن سے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعد بہ جنگ
اتنے میں مرہٹا بھی ہوا مجھ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں یہ بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی
اس پر بھی دل میں آوے تو ہو جائیے سوار

سن کر تب ان سے میں نے یہ قصہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است
سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں میں ہوشیار

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا ”تضحیک روزگار“



قصیدہ شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے

میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ ہی اللہ ہے کیا نظم بیاں ہے

اتنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت
آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے

سن کر یہ لگے کہ خاموش ہی رہ جا
اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زباں ہے

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل
ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیاں ہے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
متنخواہ کا پھر عالم بالا پہ مکاں ہے

گزرے ہے سدا یوں علف و دانے کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنے کی یاں ہے

ثابت ہے جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلہ کماں ہے

کہتا ہے نفر غرے کو صراف سے جا کر
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقے سے میاں ہے

یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید و گرنہ
شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے

اس رنج سے جب چڑھ چکے چھتیس مہینے
تنخواہ کا پھر پٹھنا اس شکل سے یاں ہے

لیتے ہیں بہ ایں روستی وہ تو دو ماہ
نک دھونس دھڑلے کی جنہیں تاب و توان ہے

قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اس میں
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جوان ہے

ملا جو اذال دیوے تو منہ موند کے اس کا
کہتے ہیں کہ خاموش مسلمان کہاں ہے

بولا جو خطیب اس میں تو ماری اسے اک دھول
ہاتھ آ گیا واعظ تو تھیڑ اور دہاں ہے

رہنے کے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوات نہ سجدہ نہ اذال ہے

اور وہ جو ہیں کم زور سواں آن کے بیٹھے
ریتی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکان ہے

اٹھ اٹھ کے دکھاتے ہیں انہیں حال وہ اپنا
دربار رو اس عہد میں جو خورد و کلاں ہے

یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پاکی آگے
اس سج سے رسالے کا رسالہ ہی دواں ہے

کوئی سر پہ کئے خاک گریباں کسو کا چاک
کوئی رووے ہے سر پیٹ کوئی نالہ کنائں ہے

ہندو و مسلمان کا پھر اس پاکلی اوپر
ارتھی کا توہم ہے جنازے کا گماں ہے

یہ مسخرگی دیکھ کے جا صاحب ارتھی
کرتا ہے جو واں عرض تو نے ناہہ نہ ہاں ہے

گر ہو جیئے جا کر کسی عمدے کے مصاحب
اس کی تو اذیت تری ہی آفت جاں ہے

وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے

بے وقت خورش اس کی جو ہو اپنے تئیں بھوک
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے

گھڑیاں کی چپ بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور ریح خلا رودوں میں جواں اسپ دواں ہے

خمیازے پہ خمیازہ ہے اور چرت اوپر چرت
منہ صورت سوفاڑ کمر شکل کماں ہے

صیغے پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپے کا جو کسی عمدے کے یاں ہے

صحت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک
آوے تو وہ اسکو بہ خشونت نگراں ہے

دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اس وقت گماں ہے

اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے
کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے

مطبوخ پہ ہے خربزہ اور خربزے پر دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاؤ زباں ہے

یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی
اس سب پہ تفنن کے لیے بیسی ناں ہے

اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے
پھر بو علی سینا ہے تو وہ بیچ مداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے

ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل
ہر شام بہ دل دوسرے سود و زیاں ہے

لے جا کسی عمدے کی جو سرکار میں دے جس
یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے

قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشدہ پہ دزدی کا گماں ہے

جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشان ہے

پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ ”پیسہ ابھی مجھ پاس کہاں ہے“

اودھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا
دیوان بیونات یہ کہتے ہیں گراں ہے

آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر اک مصدی سے میاں اور تیاں ہے

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعے کے آگے
جو پاکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

دو بیل کی جا کر جو کہیں کیجئے کھیتی
اور مینہ بھی موافق ہی پڑے تو سماں ہے

تیں خشکی و غرق کے تفکر میں شب و روز
نے امن ہے دل کے تیں نے جی کو اماں ہے

گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت
اس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے

ہر عمدے کے دروازے پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے ”اجی مردھے جی“ نواب کہاں ہے“

ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں
ہر کوچے میں جوں آب چکا بو وہ دواں ہے

دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر
مانند کنھیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پتیل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

لاوے جو کچہری سے وہ داموں کا سیاہ
لپٹاوے موکل کو یہ کیا خوب مکاں ہے

پوماہ یہ بیٹھے ہے ولے پان سو ہے خرچ
اور زر کے اجارے کا بھی اردو میں نشان ہے

دھتے دے غرض پیے اڑا کر ہوئے روپوش
گھر جا کے پکارے جو کوئی لالہ کہاں ہے

جس وقت سنا یہ وہیں آواز بدل کر
آپھی کہا گھر میں سے ”کسن چند کے یاں ہے“

پھر ہو جو موکل سے کہیں راہ میں بھینا
اسناد کا جاگیر کے یہ اس سے بیاں ہے

عرضی پہ ہوا میم سیا ہے پہ کیا ے
پروانہ میں تم پر ہوں تصدق مری جاں ہے

کاہے کی عرضی عرضی وہ اور کس کا سیاہ
کیدھر کا وہ پروانہ و جاگیر کہاں ہے

انصاف جو کیجے تو نہیں اس کی بھی تقصیر
سب ماحصل ان باتوں کا یک پارچہ ناں ہے

شاعر جو نے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے

مشاق ملاقات انہوں کا کس و ناکس
ملنا انہیں اس سے جو فلاں ابن فلاں ہے

گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے دوگانہ
نیت قطعہ تہنیت خان زماں ہے

تاریخ تولید کی رہے اٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سنے نطفہ خاں ہے

اسقاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

ملائی اگر کچے تو ملا کی ہے یہ قدر
ہوں دو روپے اس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے

اور ماحضر آخوند کا اب کیا میں بتاؤں
اک کاسہ دال عدس و جو کی دو ناں ہے

دن کو تو وہ بے چارہ پڑھایا کرے لڑکے
شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اس کے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے

بھاگے یہ عمل کر کے جو شیطان کا لشکر
دیوالی کو لے ہاتھ تعاقب میں دواں ہے

اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیت کے سینکڑے لکھنے کا ہے محتاج
خوبی میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے

یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگر نہ
آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

احیا ہو جو موتا کا زمانے میں نئے سر
خطاط کی اتنی ہی رہے قدر جو یاں ہے

ہدیہ ہو سوا پانچ کے گزری میں آ کر
یا قوت پکارے جو بکاؤ قرآن ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں، دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹے شعرا ہی کے وہ مطمئن زباں ہے

دیتا ہے دم خر سے کوئی شملے کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے

اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت
اس فکر و تردد ہی میں ہر ایک زماں ہے

پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
ہے آج کدھر عرس کی شب، روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے ہے کوئی رووے ہے کوئی نعرہ زناں ہے

بے تالے ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر
سرگوشیوں میں پر بد اصولی کا بیاں ہے

گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقصِ زناں ہے

اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دالِ نخلِ قلیہ و ناں ہے

سب پیٹے جو تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو یہ جھجے کہ نکھٹو یہ میاں ہے

اور بیٹے کے دل کو ہے خرافت کا تین
بیٹی کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے

پھر چوم کے جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے
ہر خان و خوانین کے ہمراہ دواں ہے

جب راہِ خدا پیے نکالے کوئی نواب ہے
تب اس کی سفارش میں اسے رقعہ خواں ہے

مضمون یہی رقعے کا کہ کچھ دیجئے اس کو
مداحِ اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحت جاں ہے

نک دیکھ کٹھیر میں تو حافظ کا تو احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال؟
جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا تھا کوئی اس کا نشان ہے

سو اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گویندہ ہی کا محض گماں ہے

یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغہ حشر
آسودگی حرفیت نہ وہ یاں ہے نہ واں ہے



در شکوہ معشوق

ہمیں تنہا نہ تری چشم کے بیمار ہوئے
اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوئے

سینہ خستہ ہمارے سے ہے غربال کو رشک
ناوک غم جگر و دل سے ز بس پار ہوئے

بکنے موتی لگے بازار میں کوڑی کوڑی
بس کہ تجھ بن مرثۂ چشم گھر بار ہوئے

روز اول کو تم آ مصر محبت کے بیچ
یوسف عصر ہوئے رونق بازار ہوئے

نقد جان و دل و دیں دے کے لیا ہم نے تمہیں
سینکڑوں اہل ہوس گرچہ خریدار ہوئے

گھر میں لے آئے تمہیں چاہ سے کرتے شادی
کہ تم اس غم کدے میں شمع شب تار ہوئے

رخ تاباں سے تمہارے کہ ہے خورشید مثال
در و دیوار سبھی مطلع انوار ہوئے

ڈھونڈتے تم کو صنم پھرتے تھے ہم شہر بہ شہر
خوار و رسوائے سر کوچہ و بازار ہوئے

لہ الحمد کہ مدت میں تم اے نور نگاہ
باعث روشنی دیدہ خوں بار ہوئے

خانہ چشم میں رہتے تھے شب و روز کہ تم
قرۃ العین ہوئے راحت دیدار ہوئے

دیکھ کر مہر و وفا و کرم و لطف کو ہم
جانتے یوں تھے کہ تم یار وفادار ہوئے

جس میں تم ہوتے خوشی سو ہی تو ہم کرتے تھے
پھر نہیں جانتے کس واسطے بیزار ہوئے

اب ہمیں چھوڑ کے یوں زار و نزار و غمناک
تم کہیں اور ہی جا یاں سے نمودار ہوئے

یہ تو ہرگز ہی توقع نہ تھی تم سے ہم کو
کہ ستمگار و جفا کار و دل آزار ہوئے

نہ وہ اخلاص و محبت ہے نہ وہ مہر و وفا
شیوہ جور و جفا تم سے یہ اظہار ہوئے

یا وہ الطاف و کرم تھے کہ سدا رہتے تھے
اے گل اندام ہمارے تو گلے ہار ہوئے

اس میں حیران ہیں کیا ہم سے ہوئی ہے تقصیر
قتل کرنے کے تئیں پھرتے ہو تیار ہوئے

تیغ خوں ریز بہ کف خنجر خونیں بہ میاں
ہر گھڑی سامنے آ جاتے ہو خواں خوار ہوئے

گر اسی میں ہے خوشی دل کی تمہارے تو خیر
ہم بھی راضی ہیں کہ اس جینے سے بیزار ہوئے

پھر یہ کیا ڈھیل ہے سنتے ہو تو اب بسم اللہ
کھینچ کر تیغ کو آؤ جو ستمگار ہوئے

ورنہ دل کھول کے لگ جاؤ گلے سے پیارے
گو کہ ہم قتل ہی کرنے کے سزاوار ہوئے

اتنی ہی بات تو کہتے ہیں کہ اک بوسہ دے
آہ صد آہ جو ایسے ہی گنہگار ہوئے

توبہ کرتے ہیں قسم کھاتے ہیں سنتے ہیں تم
پھر نہیں کہنے کے آگے جو خبردار ہوئے



درمدح حضرت فاطمہ الزہرا

مکھڑے سے اپنے زلف کے پردے کو تو اٹھا
ابر یہ میں مہر درخشاں کو مت چھپا

دیکھا ہے جب سے منہ کا ترے نور اے صنم
خورشید رہ گیا ہے خجالت سے سر چھپا

آنکھوں نے تیری خانہ زگس کیا خراب
سنبل کو تیری زلف نے بے قدر کر دیا

رخ دیکھ ترا گل کی تو چھاتی پھٹی ہے آہ
خال یہ کے رشک سے لالے کا دل جلا

تیرے دہن کو دیکھ کے غنچہ ہوا نجل
زگس نین کو دیکھ کے آنکھیں گئی چرا

ابرو کو دیکھ تیرے چھپا ابر میں ہلال
صورت کو تیری دیکھ گھٹا بدر دربا

اے سرو قد چمن میں کیا تو نے جب خرام
شرمندگی سے خاک میں شمشاد گڑ گیا

ریحان و سنبل چمن اب جا بہ جا ہوئے
قربان سبزہ خط و گیسوئے مشک سا

ہے سایہ جس کے سر پہ ترے قد کا گلبدن
اس کے تئیں ہے سایہ طوبی سے کام کیا

غنجے نے دیکھ تیرا دہن دست شاخ گل
حیرت سے لے کے اپنے زرخ داں تلے رکھا

عارض کو دیکھ گل نے کیا چاک پیرہن
چہرے کو ترے دیکھ کے مہ ابر میں چھپا

لپٹے ہے زلف ہاتھ کو تیرے میں کیا کہوں
ناگن لپٹ رہی ہے عجب شاخ گل سے آ

قمری نے یوں کہا ترے کاگل کو دیکھ کر
”اللہ آج سرو سے لپٹا ہے اژدھا“

تو نے نقاب منہ سے اٹھایا چمن میں گل
اے گلبدن ہزار کے دل سے اتر گیا

ہے باغ باغ، باغ میں گل چیں کھلے ہیں گل
چاروں طرف بہار ہے اور ابر کی ہوا

عیش و طرب کا دن ہے جو مے کش کہیں ملے
ساقی کو ہر طرح یہ غزل پڑھ سناؤں جا



غزل

ہے موسم بہار گل اور ابر کی گھٹا
قربان تیرے ساقی گل رو شراب لا

بلبل کی ہے کشی کو سحر جا چمن میں دیکھ
گل کا پیالہ بادۂ شبنم سے ہے بھرا

معمور قہوہ خوری زکس ہے سے سیتی
قمری کے نت بگل میں تو شیشہ ہے سرو گا

رندوں کی اس بہار میں بے شیشہ شراب
گزرے گی کس طرح سے اے ساقی مجھے بتا

منڈوے چڑھے گی نیل تری اور بڑھے گی پوت
دے دخت رز مجرد سے کش کو ہاتھ اٹھا

جو کام جلد ہووے تو اس کو نہ کیجے دیر
اکثر سنی ہے ہم نے بزرگوں سے یہ صدا

در کار خیر حاجت ہیج استخاره نیست
تو نے کہیں یہ مصرع حافظ نہیں سنا

جو غم ہمارے دل پہ گزرتا ہے بے شراب
ہم جانتے ہیں اس کو تو جانے تری بلا

دار و مدار دیکھ نہ کر مے کشوں سے تو
شیشہ دھرا دھرایا اگر ہو کہیں تو لا

چکا شتاب تو ہی گلابی شراب کی
طاؤس نام ابر کی ہے چرخ پر گھٹا

دور شباب ہاتھ سے بے مطرب و شراب
جوں دور جام مفت ہی جاتا ہے اب چلا

پھرتے ہیں بے قرار خرابات دہر میں
بنت لعب کے ساقی گل چہرہ آشنا

سن گوش جاں سے تو غزل حافظ کی فہم کر
ہے اس میں جان بادہ پرستوں کا مدعا



غزل حافظ

ساقی بہ نور بادہ برافروز جام ما
مطرب یگو کہ کار جہاں شد بہ کام ما

ما در خیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

دائیم خرمہ نہ برد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

مستی بہ چشم شاہد دل بند ما خوش است
زاں و رو سپردہ اند بہ مستان زمام ما

یہ ے وہ ے ہے جس کی ہوا دل ستی گرہ
یوں کھولتی ہے گل کا دہن جس طرح صبا

گر چاہتا ہے تجھ سے خدا خوش رہے مدام
تو ساغر دو آتشہ مستوں کو بھر پلا

یہ منصفی نہیں ہے کہ ترسے ہمارا دل
جام شراب ناب کو در موسم ہوا

ہے آرزو اسی لب سے گوں ستی مجھے
ساقی کہے کہو کہ کباب جگر لے آ

سارا یہ ڈر ہے جلد نہ جاوے کہیں چھلک
ساقی ہماری عمر کا ساغر بھرا ہوا

ساقی نے گفتگو مری سن کر کہا تجھے
کچھ شاید عقل و فہم سے بہرہ نہیں ملا

تو اس جناب پاک کا مداح ہے کہ بس
اللہ جس جناب کی کرتا ہے خود ثنا

پی جام جا کے ان کی محبت کا تو مدام
مے خانہ جہاں میں تو سرمست رہ سدا

مستوں کی طرح منقبت حضرت بتول
لکار صبح و شام تو اے بندہ خدا

تا دوست دار آل محمد کہیں تجھے
سو بار جی سے آفریں تحسین و مرحبا

یہ بات سن کے پڑھنے لگا میں بہ صدق دل
فرخندہ مطلع صفت بنت مصطفیٰ

مطلع دیگر

مخدومہ مقدسہ بانوئے پارسا
مقبولہ خدائے جہاں سید النساء

معصومہ و شریفہ جگر گوشہ نبی
خاتون حشر مادر سلطان کربلا

آل محمد عربی زوجہ علی
پاکیزہ مکرمہ مقبولہ خدا

نور دو چشم احمد مرسل معظمہ
انور چراغ عرش و مہ برج ارتضا

پروردہ کنار محمد شفیع خلق
آرام جان پاک علی جسم مصطفیٰ

ہے روشن ان کے نور سے مہر سپہر عرش
ہیں وہ چراغ دامن پیغمبر خدا

تطہیر ان کی شان میں نازل ہے فضل حق
حضرت نبی نے ”بضعہ من“ انہیں کہا

خادم ہے ان کے خادم در کا تو جبریل
ہیں وہ سرور سینہ سالار انبیاء

ہیں وہ گل ریاض رسالت چراغ نور
دامان پاک ان کا جہیں چھو سکی صبا

دیکھا نہ ان کے دامن عصمت کو اس لیے
آلودہ غبار ہوا پیکر ہوا

وہ مدعائے دل کو تو پہنچے اسی گھڑی
لے جاوے ان کے جو در دولت پہ التجا

فی الفور ان کے فضل و کرم سے خدائے پاک
بر لاوے اس کے دل کا یہ مقصود و مدعا

ان کے نسیم لطف کی جنبش سے باغ میں
ہے جلوۂ بہار گل و گلشن صفا

اک نور ان کے ذرۂ در کا ہے مہر چرخ
اور ان کے نور سے ہے مہ عرش کو ضیا

گھٹتے ہیں ان کے در پہ جہیں قدسیان عرش
ہے بندہ جبریل امیں اس جناب کا

بخشا ہے حق نے خاک کو اس در کے یہ شرف
اوصاف جس کا مجھ سے تو جاتا نہیں لکھا

پیار صدق دل سے رکھے گر دباں اوپر
پاوے خدا کے حکم سے اک آن میں شفا

وہ در ہے ایسا اقدس و اطہر لطف و پاک
درباں ہے جس کا روح الامیں پاسباں خدا

پڑھتا ہے مرغ جاں بہ گلستاں یہ ملتفت
سو آرزو سے مطلع انوار دل کشا

مطلع دیگر

اس روضہ مطہر اطہر کی ہے ہوا
خوشبو تر از نسیم بہشت و فرح فزا

ہر گل وہاں کا مثل گل گل رخاں ہے سرخ
سنبل بطور کاکل محبوب مشک سا

ہے ہر نہال رشک قد خوش قدان دہر
سو جاں سے جن پہ سرو صنوبر ہوا فدا

غنچہ وہاں کا جوں وہن تنگ حور عین
ہر برگ گل بہ رنگ لب لالہ دربا

اس گلشن نشاط میں آزرده کوئی نہیں
مانند بلبان چمن ہیں بہ صدا نوا

اس جا کی باؤ رشک نسیم بہشت ہے
کھویا وہاں کی خاک نے رتبہ عبیر کا

زرگسنے جان چشم پری کو کیا نخل
ہے گی ہوا وہاں کی فرح بخش دل کشا

لالے نے اس چمن کے رخ داغ دل ستی
شرمندہ روئے شام شفق کے نہیں کیا

عقائے فکر نے تو مرے دل کے رو بہ رو
یہ مطلع صبح دم کرم حق ستی پڑھا
مطلع دیگر

لے جاوے خاک اس در دولت کی گر صبا
جنت میں ہووے حور کی آنکھوں کا توتیا

وہ شمع بزم گاہ رسالت چراغ نور
ہے جس سے آسمان امامت کے تئیں جلا

دیکھا جو ان کے در کے چراغوں کا نور مہر
شرمندگی سے پردہ شب میں چھپا ہے جا

روز ازل سے مریم و سارہ بہ صدق دل
لائی ہیں ان کی بندگی مومنوں بجا

اور آفتاب روز قیامت دو کون کو
ہے اس جناب پاک معلیٰ کا آسرا

بنت رسول سید کونین فاطمہ
 معصوم پاک زوجہ سلطان اولیاء
 بخشندہ گناہ دو عالم شفیع حشر
 پروردہ کنار رسل سید النساء
 سودا جو روسیہ تمہاری جناب سے
 رکھتا ہے نور چشم محمد یہ التجا
 روز جزا گناہ مہبان شاہ دیں
 بخشائیو خدا سے تم اے جان مصطفیٰ
 دوزخ نصیب ہوویں تمہارے عدو تمام
 جنت کرے کرم سے محبوب کو حق عطا
 یہ آرزو جان ہے آنکھوں سے حق مجھے
 دکھلا دے نور روضہ سلطان کربلا
 کرتا ہے ہر سحر در کوکب سے پھر فلک
 قربان قدر روضہ شاں قبہ طلا

بر روضہ امام زماں نقد جان و دل
البتہ وار وار تصدق کروں میں جا

نکلے نہ جاں بدن سے نہ دیکھوں میں جب تیں
آنکھوں سے جا کے روضہ فرزند مرتضیٰ

ہووے مجھے طواف در جا راہ نصیب
بر لائے حق تمہارے کرم سے یہ مدعا

پہنچے تمہارے فضل و کرم سے خدا کرے
سودا بھی اپنے دل کی مرادوں تیں سدا



درمدح حضرت زین العابدین

کہا میں ایک دن اس سے کہ اے ستم ایجاد
جفا و جور کہاں تک کہاں تیں پیدا؟

کئی دنوں سے یہ احوال ہے کہ واقف نہیں
سرور دل ہے کدھر کو کدھر ہے خاطر شاد

نہ رات کو مرے نالوں پہ رحم ہے تجھ کو
نہ میرے بخت ہی کرتے ہیں ان دنوں امداد

نہ میرے حال پہ الطاف ہے نہ مہر و کرم
نہ اگلی باتیں جو بھولی ہیں وہ کرو تم یاد

نباہ کیونکہ ہو ایسے مزاج سے اپنی
یہ دل ہے شیشہ ساعت ہو کس طرح فولاد

فقیر سیر کرے گا سنا مرا صاحب
کرم کیا جو کیا اس غلام کو آزاد

یہ کہہ کے واں سے ہو رخصت چلا بیاباں میں
کہ شہر کو کروں ویران اور دشت آباد

سو ایک قطعہ مربع زمیں کے پردے پر
آتی جس میں بی تھی بوئے الحاد و وداد

نظر پڑا سو کہا دل نے بس یہیں رہ جا
کدھر کو جائے گا یاں سے اے خانماں برباد

قسم ہے تجھ سے کہی جا میں جاں تلک ناپی
پکار دامن صحرا میں داد اور بیداد

زباں میں زور نہ تھا مجھ میں تاب منہ میں نہ دم
کہ مدغم میں ہوں دل کھول کر کروں فریاد

تھی دل میں آہ نہ آنکھوں میں اشک جی کو نہ چین
غرض کروں تھا میں جرات کے در کو بست و کشاد

کہ ناگہاں مجھے صبر جمیل کی آواز
فلک سے آئی زمیں پر بہ نظر استمداد

کیا میں شکر کا سجدہ جناب باری میں
کہ رہے اس کی رضا پر بہ موجب ارشاد

جو صبر آئے تو پھر یاں کہاں شکیبائی
ہر اک میں خلق ہوا ہے بہ قدر استعداد

سو ووہیں غیب کے ہاتھ سے یہ ندا آئی
نہ بھول' دل میں کر احوال صابروں کا یاد

ہوا تھا میں متامل کہ ووہیں خاطر میں
گزر کیا مرے یہ مطلع شکیب ایجاد

مطلع ثانی

کہ یاد ایسوں کی کرنا ہے اپنے عین مراد
نبی کی آل ہیں صابر' علی کی ہیں اولاد

خصوص در یتیم محیط صبر و شکیب
ابو الائمہ امام زماں شہ سجاد

امام ابن امام و کریم ابن کریم
رحیم ابن رحیم و بہادر و جواد

زہے امام فروغ چراغ خانہ دیں
زہے امام امامت کے شہر کی بنیاد

اگر نہ سجدہ کریں اس کے آستانے پر
قبول ہو نہ کبھو زاهدیت زہاد

جو کوئی مشق کرے نام پاک کی ان کے
تو دے صلاح بہ ملا بقا و میر عماد

جو منقبت کہے اس کی جناب عالی میں
اور اپنے شہر کے تئیں چھوڑ جائے اور بلاد

تو اس میں شک نہیں فکر اس کی سب پہ چرب کہیں
ہیں جتنے عرفی و خاقانی باقر داماد

زبان حال سے تہلیل خواں ہیں سب ان کے
یہ بحر و بر و زمیں آسماں نبات و جماد

جو قمری دیکھتی اس کے قد مبارک کو
نہ آتی تابہ قیامت وہ جانب شمشاد

زبان شیریں سے اس کے اگر سنے اک حرف
تو خسروی کرے مزدوری چھوڑ کر فرہاد

وہ نقشہ اس کی جو صورت کا رب نے کھینچا ہے
جہاں جو چاہیے نے کم کہیں کہیں نہ زیاد

ہزار جاں کروں قربان اس مصور کے
ہے دست کاری میں کون اس طرح کا اب استاد

کروڑ سال میں کھینچے شبیہ ناخن کی
گر اس کی لاکھ طرح سستی مانی و بہراد

تو کچھ نہ ہو سکے اللہ کے ہاتھ بن کھینچے
کہے سیاہ قلم میں نہیں مداد و سواد

اسی کے چہرے میں وجہ الہی کا جلوہ ہے
خدا پرست ہوئے جس کو دیکھ کل عباد

خدائی دعویٰ ہی ہوتی زبان پیشیں میں
نہ اس کے عہد میں نمرود تھا نہ تھا شداد

اسی کی ذات سے قائم ہے دہر میں اب تک
یہ شعلہ آگ کا، یہ موج آب، خاک و باد

گنہگار کی جاں بخشی پر جو حکم کرے
تو اپنے سر کے تئیں آپھی کاٹ لے جلا دے

یہ طائر اس کے جو روضے پہ جا کے ہو قرباں
تو اپنے دام میں آپھی پھنسا کرے صیاد

جو امر انہی پہ کر دے تو جز یہ روئی
کو طرح بھی پکھاؤں سستی نہ نکلے ناد

نت اٹھ کے چنگ پہ سرچنگ دست مطرب ہو
رباب کی بھی ہر اک کو شمار ہے میعاد

کروں غلامی میں حاضر تو غائبانہ کو چھوڑ
حضور میں ترے مدح شریف کا تعداد

مطلع دیگر

کہاں کواکب اجساد اور کہاں جساد
ترے ہی دفتر تن کے ہیں کائنات افساد

مقر ہیں سارے امامت کے تیری شہر بشہر
لے روم و شام خطا و ختن سے تا بغداد

جو جان و دل سے ہوا خاندان میں تیرے غلام
ولی سے اس کا ہوا مرتبہ کہیں ایزاد

شریک ہوتے ہیں مجلس میں اس کے سب بے شک
یہ غوث و قطب یہ ابدال اور یہ سب اوتاد

تری رسائی کی تعریف کیا کرے کوئی
جہاں فرشتوں کے پر جلتے رہیں گے ان سے زیاد

جو نردبان فلک پر قدم رکھے تو پھر
نہ پہنچے واں تئیں زہار وہم کا قصاد

اسی خیال پر اک بادہ کیا مطلع
حضور میں ترے عرض ہو دل شاد

مطلع دیگر

کریں جو دل میں مسیحائی کو تو پیش نہاد
تو دھونی عود کی نشتر کو دے رکھے فصاد

جو تلخ کامی اٹھا دے زمیں کے پردے سے
تو صبر ساز کو سب بولنے لگیں قتاد

ضرر پہ حکم کرے نفع کا تو مشک سوا
نہ زخم پر کرے جراح پھر کسی کے ضما

رواج دیوے اگر قلب ماہیت کو تو
لے آنکھ سموند زر قلب کے تئیں نقاد

لکھا ہے راقم تقدیر نے جبیں پہ تری
ازل سے تا بہ ابد خط بندگی بنیاد

سوائے اس کے مرے دل میں نقش ہیں تیرے
غلام ہونے کی رکھتا ہوں میں کئی اسناد

ترے بغیر کہوں کس سے درد دل اپنا
سوائے تیرے مری (اور کون دے) ہے مراد

فلک پہ نہیں ہیں ستارے بچھے ہیں تختہ نراد
چلے ہے چال نئی طرح سے مرا نراد

وطن کے اپنے سب اخلاص مند دور کیا
نہ آدمی ہی رہا ہے یہاں نہ آدم زاد

کروں میں کب تیں ہر صبح ہو جو مطلع صاف
فلک کے سقف تلے آہ کے ستوں استاد
مطلع دیگر

بتنگ ہند سے آیا ہے یہ دل ناشاد
بلا مشہد اقدس میں بھر دے دل کی مراد

یہاں نہ قدر شاعری نہ آدمیت ہے
متاع شعر کا بازار ان دنوں ہے کساد

حساب دوں اسے کہتے ہیں یاں کے لوگ (مشاع)
نہ سمجھے جو عشرات و مات تا بہ احاد

نہ کوئی کمال کا ہے آشنا نہ دولت کا
مگر بہت سے معاند رکھے ہیں مجھ سے عناد

ہے اتنی مجھ کو تمنا جناب عالی میں
کہ آ کے رضوان میں لے قلم و مداد

قصیدہ طور لکھوں اپنے دل کے مطلب کو
حضور دست مبارک کا اس پہ ہووے صاد

جو مشکلات ہیں میری سو کر اسے آساں
نہ کیجیو مجھے محتاج تا بہ یوم تناد

تو پھیر دل کو نواہی سے لا اوامر پر
دے مجھ کو صحت دنیا و دین و عمر دراز

درود بھیج کے کرتا ہوں قصر طول کلام
صلوٰۃ ہو بہ محمد و آلہ الامجاد

سمجھوں نے ورد کیا یہ قصیدہ اس خاطر
رکھا ہے نام میں اس کا خلاصہ الاوراد



مدح حضرت جعفر صادق

فلک بتا دے مجھے اپنے عیش و غم کی طرح
کرم کی کون طرح کون سی ستم کی طرح

ہماری آنکھوں میں بیٹھی ہیں کب دکھاوے گا
وہ شکل چال کی چلکت کی اور قدم کی طرح

نہ وصل میں مرے کرتا ہے ہاں نہ ہجر میں نہ
نہ لا کا ڈول نظر میں ہے نے نعم کی طرح

یہ سوچتا ہے مجھے روح میں سینے سے
نکل ہی جائے گی پچکی لیے سے دم کی طرح

اگرچہ خونگی آگے ہے مر چکے ہیں ہم
وجود اپنے کے آثار ہیں عدم کی طرح

پہ تو بھی کام نہیں ہم کو تیرے گلشن سے
کہ سینہ چاکی کا طور اپنے ہی ازم کی طرح

اسی میں گل ہے اسی میں چمن اسی میں بہار
ہے سیر گاہ تماشاۓاں عجم کی طرح

جو خوب دیکھئے نظروں میں اپنا یکساں ہے
یہ خوب و زشت بد و نیک بیش و کم کی طرح

لکھوں ہوں ایک غزل حسب حالت دل خویش
ہے سحر سامی پر حرف مرقم کی طرح



itsurdu.blogspot.com

غزل

ہمیں ملتی ہے بے شبہ اس صنم کی طرح
ہے دود آہ جگر سوز زلف خم کی طرح

ہمیں میں لوح و قلم ہے ہمیں میں کرسی و عرش
زبان لوح کی صورت ہے دل قلم کی طرح

ہم اپنے دل میں خدا کی سیر کرتے ہیں
ہے اپنا سینہ بے کینہ جام جم کی طرح

جبیں ہے کرسی و سر عرش پوچھتا کیا ہے
یہی ہے راقم تقدیر کے رقم کی طرح

ہے اور کون ہمیں ہم ہیں اللہ ہی اللہ
ہمارے قول پہ شاہد ہے رب حکم کی طرح

ہماری بندگی و حق گزاری و خدمت
طفیل مرشد حق مقصد اہم کی طرح

امام جعفر صادق کہ جن کے روضے میں
ملی ہے بیت مقدس کی اور حرم کی طرح

شہ سریر صداقت لقا و شاہد دیں
دروغ صدق کا مفروق کن قسم کی طرح

وہ شام نام کے لینے سے جس کے عالم میں
رہے نہ رنج کی صورت نہ کچھ الم کی طرح

نبی کی جان جگم گوشہ علی ولی
ہے جس کی شکل میں اب مظہر اتم کی طرح

خدائی جس کے لیے ہے جہان میں قائم
بندھی ہے جس کے لیے دین محترم کی طرح

جو حرف اس نے کیا جس کسی کے تئیں ارشاد
وہ حکم کرتے ہیں امر قضا شیم کی طرح

دلوں میں آیہ رحمت کی طرح با تاثیر
جگر پہ نقش ہے جوں حرف مرثم کی طرح

نثار لعل کرے ہے زمانہ اور یا قوت
اب اس کے عہد میں پھکی ہوئی درم کی طرح

وہ چھوڑ دیدہ و دانستہ ناگزیر گریز
جو آہو رام نہ بھولے تھے بھولے رم کی طرح

وہی جو حکم خدا ہے سو حکم اس کا ہے
وہ شکل اس کی جو تھی شافع ام کی طرح

لکھوں جناب مبارک میں ایسا مطلع صاف
کہ شاعروں میں ہو ظاہر مرے رقم کی طرح

مطلع دیگر

میں کیا بیاں کروں شاہا ترے کرم کی طرح
ہے بوریائی گدا میں ترے حشم کی طرح

ہے تیرے عہد میں یاں تک تو عدل اور انصاف
کہ زور و ظلم ہے عنقائے منعم کی طرح

جو آگ پانی سے آ کر لڑے تو اس کے پاس
حاب خود ہے اور موج ہے جھلم کی طرح

بندھی ہے دہر میں تیرے لیے خدا شاہد
ازل کی طرح، ابد کی طرح، قدم کی طرح

جو پہلے نام نہ تیرا لے کہہ کے بسم اللہ
زباں میں ذائقہ نعت کا ہووے سم کی طرح

وہ تیرے روضہ رضواں میں جگمگاٹ ہے
ستون عرش سے رتبہ ہے جس کے کھم کی طرح

زمیں کی چھاتی سرپا بدل گئی دوہیں
فلک کی شکل جو پر چڑھتی شکم کی طرح

ترے ہی نام نشاں سے بندھی ہے دنیا میں
یہ شکل لشکر حق دین کے علم کی طرح

تری ثنا ہی سے روشن ہے چشم ساغر کی
نظر میں جلوہ نما حرف مرقم کی طرح

ترے قدم ہی کی برکت سے خوش قدوں میں ہے
یہ عین نازکی رفتار میں نعم کی طرح

تو اور والد ماجد ترا ہے ایک ہی ایک
دو شخص متفق و دو دل بہم کی طرح

نہیں تو ہوتی ہے اس طرح سے کہیں اشیاء
کو خلف میں کو کے اب اور عم کی طرح

یہ تیری تنج میں نیکی ہے ذبح ہو بد گو
(جو) سرکشی پہ ہے وہ صاف ہو قلم کی طرح

تری جناب میں سودا کی آرزو یہ ہے
نشاط ہستی مبذل ہو تیرے غم کی طرح

ترے عدو کی مذمت ہے اور تیری تعریف
تبھی تو ہووے مروج یہ مدح و ذم کی طرح

جو تیرے باغ کو تازہ کوئی نہ دیکھ سکے
منہ اس کا خشک ہو اور دل جلے چلم کی طرح

سوائے یاد کے تیری کبھو قیامت تک
رہے نہ آنکھ میں آنسو کی میرے نم کی طرح

بچائے رکھو مجھے اپنے ظل شفقت میں
زمانے میں نظر آتی ہے نت ستم کی طرح

رکھا ہوں دل سے قصیدے کا ”صبح صادق“ نام
ہر ایک شعر ہے خورشید صبح دم کی طرح



itsurdu.blogspot.com

درمدح حضرت باقر

ہزار شکر گئے وہ خزاں کے رنج و الم
رسید مرثدہ کہ آمد بہار فیض قدم

فسردہ خاطر ہی تا کئے شگفتہ دل ہو جا
چمن کے سین باعندلیب ہو ہم دم

کھڑا ہے اب کے بن بنا کے قمری پر
کمر کو سرو نے باندھا ہے اپنے مستحکم

ہوا یہ حکم کہ گلشن سے مالی دور کریں
درخت بید میں ملتی ہے صورت ماتم

نسیم مروحہ جنباں ہے سبزہ گل پر
چمن میں بس کہ ہوا خواہی کا یہ مارے دم

جہائی یہ دھڑی مستی کی لب پہ سون نے
ادھر سے بالوں پہ سنبل کے ہے عجب عالم

یہ ٹھاٹ دیکھ کے دل میں خیال یہ گزرا
کہ لکھئے ایک غزل لے کے اب دوات و قلم



itsurdu.blogspot.com

غزل

چمن میں سبزہ روئیدہ پر نہیں شبنم
ہوئی ہے خسرو گل پر نثار لالہ قلم

ادھر کو اعلیٰ کے ساغر میں ارغوانی ے
بھری ہے لالہ حرا نے ہو خوش و خرم

لہک رہا ہے ادا سے ادھر کو نافرماں
لے اپنے ہاتھ نزاکت سے طرہ نیلم

ادھر سے نرگس شہلا کرے ہے بدستی
جو آنکھیں ہوویں تو کوئی اس کی دیکھے گردن خم

کہاں ہے صحن کے تالاب بیچ نیلوفر
یہی ہے عالم آب اور یہی ہے جام جم

کنول کی آنکھ میں کیا سرخ ڈورے چھوٹے ہیں
بہ رنگ دیدہ مخمور بادہ نوش صنم

ادھر ہے پنجہ مرجاں کی طرح شاخ خیار
کف حنائی دست عروسی کا ہم جم

ادھر ہے تختہ اورنگ شکل تکتہ لعل
بہ رنگ پنجہ فندق نمائے شوخ عجم

پہر کے (اپھرے ہے) عباسی جوڑا عباسی
جو رنگ چاہیے وہ ہی کہیں زیادہ نہکم

ہوا ہے باغ میں اب شاخ زعفران صد برگ
لباس اپنے تئیں زعفرانی کر کے بہم

ملا ہے جیفہ یاقوت تاج سرخ کے تئیں
کہ وہ بھی عیش طرب سے رہے نہ نامحرم

نگاہ کیجئے گل اشرفی کی بخشش پر
کرے ہے لاکھوں زر سرخ کے نثار درم

یہ برگ نے ہیں تک آ دیکھ دونوں ہاتھوں سے
ہئے کے مارے انار اب پکڑ رہا ہے شکم

جو طائران چمن تھے یہ زمزمہ خواں ہیں
کہ یہ بہار ہمیشہ ہو نت نت و جم جم

چمن میں یہ نظر سیر کر وہیں نکلا
مری زباں سے بدیہی یہ مطلع محکم

مطلع دیگر

کہاں کا قطعہ کشمیر اور کہاں کا ارم
یہ باغ گلشن و خس کا ہے پیش قدم

تراش تکمہ الماس موگرا نے رکھا
سفید پوش ہے نسرین نسترن باہم

ہے موتیا کے کو موتی کیا کمی اس سال
سوائے ابر کسو کی نہیں یہ آنکھیں نم

شگوفہ بیج نمایاں نہیں ہے ڈالی پر
کیا ہے شاح زمرہ پہ لعل پارے کو صنم

کیا ہے سرو نے قمری سے صلح کا پیغام
اگرچہ بر میں زرہ پہری منہ پہ ڈالا جہلم

غرض میں کیا کہوں اتنا تو ہے کہ بن معشوق
یہ باغ دیکھ کے عاشق کا دل بھی جاوے کم

ہزار رنگ کے ہیں جانور گلستاں میں
وہ سب یہ شعر ہی پڑھتے ہیں ہو خوش و خرم

یہ سیر آہو بھی دیکھے تو بھول جاوے رم
خدا کرے یہ تماشا کبھو نہ ہو برہم

کہ عندلیب نے طافس سے کہی یہ بات
یہ وقت عیش و طرب کا تو ناچ لیں باہم

ملے گا عالم بالا سے خوب سا انعام
تو بانٹ لیویں گے آپس میں سب شریک بہم

یہ ذکر سن کے کہا طوطیوں نے اے بلبل
ہے کس کی شادی مفصل کہو تجھے ہے قسم

کہے کہ روز تولد ہے آج ایسے کا
کہ ہے خلاصہ دورانِ مفر آدم

جناب حضرت والاؑ محمد باقر
امام پنجم اثنا عشر کرام ام

اسی کی وجہ سے گلشن ہے بزم دنیا میں
چراغ خانہ دیں کے فروغ شمع حرم

اسی کا منشی دیواں ہے راقم تقدیر
اسی کے امر و اطاعت میں ہیں گے لوح و قلم

وہی ہے برق جلی وہی ہے نور ظہور
وہی ہے مظہر ذات اقدس وہی ظہور اتم

ہے کہ با کرم وجود و بخشش و احساں
فقیر کے تئیں کردے امیر سے توام

رحیم مظہر احساں امیر کل امیر
کریم مظہر فیاض اکرم و اکرم

اسی کی وصف ہے سر منشی فروغ و اصول
اسی کی مدح ہے امت پہ لازم الزم

گل حدیقہ مولا علیؑ نہال امید
 بہار باغ رسولؐ کریمؑ ابر کرم

ظہور رحمت رحماںؑ رحیم ابن رحیم
 سرور راحت جان علیؑ امام ام

شہ حلیم و مربع نشین مسند حلم
 مراد بخش خلاق امام دفع غم

وہ عجب بخش جہاں عقل ہو رہے حیراں
 بیاں نہ ہو سکے جن کا کوئی علو ہم

ہزار شاہ فقیر ہو گئے ہیں اس گھر کے
 ہیں لاکھ اس کے گداؤں میں بہتر از ادھم

اسی کی ذات سے وابستہ ہے زمین و زماں
 ازل سے اسی سے ابد اسی سے قدم

ظہیر و ظاہر و حاجت روائے موجودات
 علیم و علم لدنی شہ خجستہ شیم

جو حکم نفع ضرر پر کرے تو زخموں پر
سوائے زہر کے جراح نہ رکھے مرہم

شہ سریر امامت در محیط بتول
مہ سمائے مرادات نیر اعظم

فروغ مہر سے بخشش ہے اس کی عالم پر
ہے ایک ذرہ جہاں کا یہ ہمت حاتم

تھے خانہ زاد یہ افراسیاب اور بہراد
اسی کے گھر کے غلاموں کا نام تھا رستم

ملائمت کے سبب اس کی سخت نرم ہوئے
ہزار تیز ہو تلوار کاٹے کیا رستم

جو امر اس نے کیا گر اسے نے مشرک
نہ صرف لا کہے منہ سے مگر یہی کہ نعم

ورق پہ ہستی کے شکل و شرار
کہ جیسے شعر پہ لکھتے ہیں بعض لا یعلم

بجا ہے کہنے اگر لا شریک لہ سن کر
لقب کو اس کے یہ مشہور ہے نہیں مبہم

جناب عالی میں سودا کی آرزو یہ ہے
حضور میں کرے یہ مطلع درست رقم

مقابل عرش کے رفعت میں ہو ترا مخیم
وہ سر زمین کہ چمکے جہاں ترا پرچم

ہو سرفرازی میں وہ قطعہ ہمسر کربن
جہاں کہ ہو ترا استاد شاہ خاص علم

جو نام لے کے ترا کھائے تو بے شبہ و شک
شکر سے شیریں ہو دو چند تلخ ہووے سم

ترے غلاموں سے یہ بارہا ہوا ہے گا
اگرچہ مردے جلاتا تھا عیسیٰ مریم

عدو کا قتل ترے گر خیال میں گزرے
تو اتنا بھاگے جو جاتا رہے بہ ملک عدم

ترا یہ وصف ہے اور وصف ہے سہوں کا ہجو
تری ہی مدح ہے اور مدح ہے سہوں کا ذم

مرے امام بہ حق ہے تو پوچھتا کیا ہے
وہاں کے عدل کے تئیں جس جگہ تو ہو حاکم

گر آب و آتش و خاک و ہوا ہوں یکجا جمع
کوئی کرے نہ سکو پر دراز دست ستم

لکھوں وہ مطلع شاہانہ طرح بے کم و کاست
بیان جاہ و جلال اب ترا ہے مجھ پہ اہم

وہ فرش مجلس پاکیں میں اب ترے ہے حشم
کہ ٹھوکروں میں اڑی جائے مسند کے وجم

جہاں سواری ہو تیری زمیں سے تا بہ فلک
یہی ندا ہووے واللہ خیر فی المقدم

وہ زور پنجہ قدرت دیا ہے حق نے تجھے
کہ پہلوانوں کی تیرے ہے کھکشاں لیزم

جو کوئی عمل نہ کرے حرف حق ترا سن کر
ہر ایک بات میں الزام پائے ہو ملزم

جہاں کہ خوف ترا جلوہ گر ہو اور تو کیا
یہ پانی نہر کا بہتا ہے سو بھی جاوے تھم

وہ تیرے شہر کے اطراف میں دلیری ہے
خدا نخواستہ گر نکلے دشت میں ضیغم

تو اس کی جنگ کے کرنے کو اور اس کی صلح
مقابلہ کرے منہ پر سے ڈال دیوے غنم

لکھوں ہوں ایک غزل فارسی کی حسب حال
زبان ہندی کا اب قافیہ بہت ہے کم

غزل فارس

غلام بندہ قربان خانہ زاد تو ام
گلاب رحمت خود پاش من ز ہوش شدم

نگاہ چار دلم را ہر حام شیشہ تست
ہمیشہ دلبر عیار می بود زیرم

زمانہ حادث و پیوستہ بر سر جنگ است
بجز پناہ تو یا شاہ دوس کجا بروم

بسان شیشہ ساعت دریں نشیب و فراز
شمار رنگ بیاباں بہ پاس خاطر غم

کہ جنگ بر سر ادبار تا کجا بہ کشم
گہے ملول و گہے شادماں بیک دو عالم

زبان ہندی پہ کرتا ہوں خاتمہ بالخیر
دعا قرین اجابت ہو یا امام ام

سوا آئہ اثا عشر کے ذکر کے اور
نہ دجھو مجھ رنج و الم و غم و ہم

ترے غلام کا میں ہوں غلام یا شہ دیں
دے مجھ کو اور مرے آقا کو فضل و علم و کرم

بہ زور صحت دنیا و دین و عمر دراز
فراغ خاطر مال و منال و جاہ و حشم

جو مجھ کو چاہے اسے چاہو یہ ہے امید
جو مجھ پہ ظلم کرے اس پہ کبھیو تو ستم

